258

طینِ دہلی کے عہد میں

ہندوستان سے محبت و شیفتگی کے جذبات

اتر پردیش اردو اکادمی

مرتبہ

صباح الدین عبدالرحمن

اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

یہ بات انسان کی جبلت میں داخل ہے کہ وہ خاک وطن کے ہر ذرے کو دیوتا سمجھتا ہے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ ہندوستان کے سیاق و سباق میں اس موضوع کو بھی اختلافی بنا دیا گیا اور بڑے اہتمام کے ساتھ اور منصوبہ بند طریقے سے یہ غلط فہمی پیدا کر دی گئی کہ بعض فرقے حب وطن کے جذبے سے عاری رہے ہیں اور وہ اپنے قول و فعل سے دوسرے ممالک کو ہندوستان پر ترجیح دیتے آئے ہیں۔

ہمارے جن بزرگوں نے اس طرح کی غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے اپنا زور قلم صرف کر دیا۔ ان میں دار المصنفین کے ناظم اعلیٰ جناب سید صباح الدین عبد الرحمن کا نام سر فہرست ہے۔ ان کی تحریروں کا ایک بڑا حصہ آفتاب آمد دلیل آفتاب کی ترجمانی کرتا ہے۔ ان تحریروں کے مطالعے سے یہ حقیقت ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ ہندوستان کے ہر باشندے نے دوسرے ممالک کے باشندوں کی طرح اپنے ملک کو ٹوٹ کر چاہا ہے اور وہ اس کے وقار و عظمت میں اضافے کا باعث بنا ہے۔

سید صباح الدین عبد الرحمن نے ہندوستان کے عہد بہ عہد ارتقا کا عمیق مطالعہ کیا ہے۔ سلاطین دہلی کا عہد ان کے علمی شغف کا بطور خاص [illegible] رہا ہے

پہلے انھوں نے اس عہد کے لٹریچر سے وہ مواد فراہم کیا جو ہندوستان سے شیفتگی ومحبت کے جذبات سے معمور ہے اور پھر اسے خالص علمی انداز میں مرتب کیا۔
تفریع مسائل اور استنباطِ نتائج میں انھیں ید طولیٰ حاصل ہے ——— اور ان کا کمالِ فن یہ ہے کہ نہ تو وہ خود جذباتیت کے شکار ہوتے ہیں اور نہ منطقی طریقۂ استدلال سے سرمو انحراف کرتے ہیں، مواد پر ان کی نظر اتنی گہری ہے کہ وہ جملہ معترضہ کو بھی اپنے موضوع کے لئے کارآمد کر لیتے ہیں۔
آج ہمارے ملک میں قومی یکجہتی کی استواری کے لئے جو کوششیں ہو رہی ہیں، ان میں جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن کی یہ کتاب مشعلِ راہ کا درجہ رکھتی ہے۔ امید ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اسے بھی حسن قبول حاصل ہوگا۔

اتر پردیش اردو اکادمی
قیصر باغ، لکھنؤ
۲۶ر جنوری ۱۹۸۳ء

محمود الٰہی
چیرمین
مجلس انتظامیہ

Marfat.com

دیباچہ

اس خاکسار کو اپنی علمی زندگی میں جہاں اور اہم موضوعات پر خامہ فرسائی کرنے کا موقع ملا، ان میں ایک دل چسپ موضوع یہ بھی رہا کہ باہر سے آکر مسلمانوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا تو انھوں نے اس کے ساتھ اپنی محبت اور شیفتگی کا ثبوت کس کس طرح دیا۔ اُن کے وطنی جذبات کی ترجمانی اُن کے شاعروں، نثر نگاروں اور مورخوں کے ذریعہ سے ہوتی رہی۔ ایسے مواد کو جمع کرنے میں لذت محسوس ہوئی۔ دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ فارسی میں ایک توسیعی لکچر دینے کے لیے مدعو کیا گیا تو اس کا موضوع انڈو پرشین لٹریچر میں قومی جذبات تھا۔ یہ لکچر شوق سے سُنا گیا۔ پھر انڈین کاؤنسل آف کلچرل ریلیشنز نئی دہلی کے ایرانی سیکشن میں ۱۵ مارچ ۱۹۶۲ء میں امیر خسرو کی حب الوطنی پر ایک لیکچر دینے کا موقع ملا۔ اسی طرح ۱۲ ستمبر ۱۹۷۲ء کو کلکتہ کی انڈو ایران سوسائٹی میں اسحاق میموریل لکچر دینے کے لیے مدعو کیا گیا تو اس کا موضوع انڈو پرشین لٹریچر میں ہندوستان اور خصوصاً بنگال سے محبت و شیفتگی کے جذبات" تھا۔ اس لکچر سے بھی پوری دل چسپی لی گئی۔ یہ تمام لکچرز انگریزی میں تھے۔ خیال ہوا کہ اگر اُردو میں بھی اس قسم کی تحریریں قلم بند کی جائیں تو وطنی محبت کے جذبات کی نشو و نما میں بڑی مدد ملے گی، اُردو میں بھی مضامین لکھنے شروع کیے۔ امیر خسرو کے سات سو سالہ جشن کے سلسلے میں نیا دور لکھنؤ کی فرمائش پر دسمبر ۱۹۷۴ء کے امیر خسرو نمبر کے لیے امیر خسرو کی وطنی شیفتگی کے بارے ایک مضمون لکھا تو بعض حلقوں سے یہ آواز اٹھی کہ اس کو ایک رسالہ کی صورت میں زیادہ سے زیادہ شائع کر دیا جائے تاکہ قومی یک جہتی میں اس سے مدد ملے۔ پھر بہرے محترم بزرگ کرنل بشیر حسین زیدی سابق وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی کی خدمات کے سلسلے میں تبریک و تہنیت

Marfat.com

کی ایک کتاب نذر کی جانے والی تھی تو اُس میں سلاطین دہلی کی وطن دوستی کے عنوان سے ایک مضمون لکھا، جس میں یہ دکھایا گیا کہ تاتاریوں کے سیل رواں کو دنیا کی کوئی حکومت روک سکی، لیکن وہ ہندوستان جب جب آئے، پسپا ہو کر واپس گئے، اپنے وطن کی محبت میں اُس زمانے کے جاں باز سپاہیوں نے اپنے سلاطین کی نگرانی اور رہ نمائی میں اس کی جیسی مدافعت کی وہ ایک زرّیں مثال ہے جس کو ایک اہم موضوع بنایا جا سکتا ہے۔

یہ مضامین بھی جس شوق سے پڑھے گئے تو خیال ہوا کہ اس موضوع پر علاحدہ علاحدہ مضامین لکھنے کے بجائے شرح و بسط کے ساتھ پوری کتاب ہی کیوں نہ قلم بند کی جائے۔ الحمدللہ کہ اس ناچیز کوشش سے اس پر حسب ذیل دو جلدیں تیار ہو گئیں:

(۱) سلاطین دہلی کے عہد میں ہندوستان سے شیفتگی و محبت کے جذبات

(۲) مغل بادشاہوں کے عہد میں ہندوستان سے شیفتگی و محبت کے جذبات

پہلی جلد دوستوں کے اصرار سے اُتر پردیش اُردو اکادمی کو نذر کی جا رہی ہے۔ جس جذبہ سے یہ کتاب مرتب ہوئی ہے خدا کرے اسی جذبہ سے یہ پڑھی جائے تاکہ وطنی محبت کے مقدس جذبات کو بیدار کرنے میں یہ ہر طرح مفید ہو۔

سید صباح الدین عبدالرحمان

اعظم گڈھ
۱۰ اپریل سنہ ۱۹۸۲ء

Marfat.com

ہندوستان سے محبت

مسلمانوں کو ہندوستان سے شروع سے محبت رہی۔ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت آدم سب سے پہلے ہندوستان میں اُترے تو یہاں پر وحی آئی، تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہی وہ ملک ہے جہاں خدا کی پہلی وحی نازل ہوئی اور چوں کہ نورِ محمدی حضرت آدم کی پیشانی میں امانت تھا تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی ظہور اسی سرزمین پر ہوا، چناں چہ آپ کی یہ حدیث بھی نقل کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے ہندوستان کی طرف سے رحمانی خوشبو آتی ہے اور حضرت علی کے اس قول کا بھی ذکر آتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سب سے پاکیزہ اور خوش بودار مقام ہندوستان ہے، کیوں کہ یہاں حضرت آدمؑ اترے اور یہاں کے درختوں میں جنت کی خوش بو کا اثر ہے۔ (سبحۃ المرجان از غلام علی آزاد بلگرامی باب اول)

ان روایتوں کی سند پر چاہے کتنی ہی جرح و قدح کی جائے لیکن ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہند کی عظمت قدما کی نظروں میں کس قدر زیادہ تھی۔ اس کا اندازہ اس سے بھی ہوگا کہ اسلام سے بہت پہلے عرب اپنی لڑکی اور معشوقہ کا نام ہند رکھتے تھے اور بہت سی ہندوستانی چیزوں کے نام مثلاً ہندی تلوار، صندل اور عود کا ذکر ایام جاہلیت کے شعرا کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں جنت کی تعریف میں ہندوستان جنت نشان کی تین خوشبوؤں کا ذکر ہے۔ مسک (مشک) زنجبیل (سونٹھ یا ادرک) اور کافور (کپور)

ہندوستان کی تعریف میں عرب مورخین، جغرافیہ داں، سیاح اور ادیب بھی رطب اللسان ہیں، جاحظ عرب کا مشہور انشا پرداز فلسفی اور متکلم تھا۔ اس نے ۸۶۹ء میں وفات پائی، وہ لکھتا ہے کہ:۔

Marfat.com

"ہندوستان کے باشندے جوتش (نجوم) اور حساب میں بڑھے ہوئے ہیں۔ ان کا ایک خاص ہندی خط ہے۔ طب میں بھی وہ آگے ہیں، طب کے بعض عجیب بھید ان کو معلوم ہیں، سخت بیماریوں کی دوائیں خاص طور سے ان کے پاس ہیں۔ مجسمے یا اسٹیچو بنانا، رنگوں سے تصویر بنالینا اور فن تعمیر وغیرہ میں ان کو کمال حاصل ہے شطرنج کے وہ موجد ہیں، جو ذہانت اور سوچ کا بہترین کھیل ہے، تلواریں عمدہ بناتے ہیں ان کے چلانے کے سب کرتب جانتے ہیں۔ زہر اتارنے اور درد دور کرنے کے منتر جانتے ہیں، ان کی موسیقی بھی دل پسند ہے، ان کے یہاں مختلف قسم کے خط میں شاعری کا ذخیرہ بھی ہے۔ تقریریں بھی اچھی کرتے ہیں۔ طب، فلسفہ، ادب اور اخلاق کے علوم بھی ان کے پاس ہیں۔ ان ہی کے یہاں سے کلیلہ دمنہ کتاب ہمارے پاس آئی۔ ان میں اصابت رائے اور بہادری کے واقعات ہیں، جو بعض خوبیاں ہندوستان کے لوگوں میں ہیں چینیوں میں نہیں۔ ان ہی کے ملک سے بادشاہوں کے پاس وہ عود آتی ہے جس کی نظیر نہیں، فکر کا علم ان ہی کے پاس سے آیا ہے۔ نجوم کے وہی موجد ہیں۔ ان کو حساب کتاب اور صرافی کے کاموں سے فطری مناسبت ہے۔"

(رسالہ فخر السودان علی البیضان مصری اڈیشن ص ۸۱)

یعقوبی (المتوفی ۸۹۷ھ) نے لکھا ہے کہ ہندوستانی صاحبِ حکمت و بصیرت ہوتے ہیں۔ ہر قسم کی حکمت میں سب لوگوں سے فائق اور برتر ہیں۔ جوتش اور نجوم میں ان کے اقوال سب سے زیادہ صحیح اور درست ہوتے ہیں۔ (تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۱۰۵)

احمد بن رستہ تو ہندوستان کے گندمی رنگ اور یہاں کے دل فریب حسن و جمال کا فریفتہ رہا۔ وہ تو اپنے زمانے کے ہندو راجہ کے عدل و انصاف کا بھی معترف تھا، لکھتا ہے کہ تاجروں کے ساتھ راجہ کا بہت ہی عمدہ برتاؤ رہتا (الاعلاق النفیسہ ص ۱۳۵)

مسعودی (المتوفی ۹۵۷ء) لکھتا ہے کہ حضرت آدم اپنی ستر پوشی کے لیے جنت سے پتیاں لائے اور جب وہ خشک ہو گئیں تو ہواؤں نے ان کو اڑا کر پورے ہندوستان میں پھیلا دیا، اس لیے ہندوستان میں خوش بو اور عطر مثلاً عود، کافور اور مشک وغیرہ زیادہ پائے جاتے ہیں (مروج الذہب ج ۱ ص ۶۱-۶۰)

اسی صدی میں ایک عرب ہندوستانی کے وطنی گیت میں ہندوستان کی

Marfat.com

طرف سے بڑی محبت کا اظہار ہے، اس کے عربی اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) میرے دوستوں نے انکار کیا، اور یہ بہتر نہیں، جب ہندوستان کی اور معرکہ میں ہندوستان کے تبر کی تعریف کی جا رہی تھی۔

(۲) میری جان کی قسم یہ وہ سرزمین ہے کہ جب اس میں پانی برستا ہے تو دودھ، موتی اور یاقوت اس سے اُگتے ہیں، ان کے لیے جو آرائش سے خالی ہیں۔

(۳) اس کی خاص چیزوں میں مشک، کافور، عنبر، عود اور قسم قسم کی خوش بو، ان کے لیے جو میلے ہوں۔

(۴) اور قسم قسم کے عطریات اور جائے پھل، سنبل، ہاتھی دانت، سہاگوان خوش بودار لکڑی اور صندل۔

(۵) اور اس میں توتیا سب سے بڑے پہاڑ کی طرح ہے، اور یہاں شیر ببر، چیتے، ہاتھی اور ہاتھی کے بچے ہوتے ہیں۔

(۶) یہاں پرندوں میں کلنگ، طوطے، مور اور کبوتر ہیں، درختوں میں یہاں ناریل، آبنوس اور سیاہ مرچوں کے درخت ہیں۔

(۷) ہتھیاروں میں تلواریں ہیں جن کو کبھی صیقل کی حاجت نہیں اور ایسے نیزے ہیں کہ جب وہ ہلیں تو فوج کی فوج ان سے ہل جائے۔

(۸) تو کیا بے وقوف کے سوا کوئی اور بھی ہندوستان کی ان خوبیوں کا انکار کر سکتا ہے۔

ان اشعار کے کہنے والے کا نام ابوضلع سندھی ہے جو غالباً تیسری چوتھی صدی ہجری میں عرب چلا گیا تھا۔

(عرب و ہند کے تعلقات از مولانا سید سلیمان ندوی ص ۵-۹۴)

البیرونی نے ہندوؤں کے علوم و فنون کو اپنی کتاب الہند میں جس بے تعصبی اور کشادہ دلی سے بیان کیا ہے، اس کی داد پروفیسر سنیتی کمار چٹرجی نے یہ لکھ کر دی ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ہندوؤں کے علوم کا باضابطہ مطالعہ کیا، وہ ہمارے شکریہ کا مستحق صرف اس لیے نہیں کہ وہ ایک بڑا وسیع النظر اور بہت ہی دقیقہ رس محقق

Marfat.com

اور لائق اہل علم تھا، بلکہ وہ ایک قابل قدر انسان بھی تھا۔ وہ اپنے مذہبی عقیدے کی وجہ سے ایسے لوگوں کے کارناموں کو نظر انداز کرنا پسند نہیں کرتا تھا جو دوسرے ماحول میں فضا میں پھلے اور پھولے، اس کی یہ رواداری، بے تعصبی، بلکہ بے لاگ پن ایسا وصف ہے جس کے لیے ہندوؤں کو اس کا ممنون ہونا چاہیے۔

(مزید تفصیلات کے لیے دیکھو ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک، از خاکسار مولف ص ۶۰)

محمود غزنوی اور متھرا کا مندر

محمود غزنوی کی بت شکنی کے قصے تو ضرور دہرائے جاتے ہیں لیکن یہی محمود غزنوی جب متھرا کے مندر کو دیکھتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے۔ اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ اگر کوئی ایسی عمارت بنانا چاہے تو لاکھوں سُرخ دینار خرچ کر کے بھی نہیں بنا سکتا ہے اور شاید دو سو برس میں بھی ایسی عمارت نہ بن سکے۔ پھر اس کے بتوں کا ذکر مزے لے لے کر کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ:

"اس میں پانچ بُت تھے جو سُرخ سونے سے بنائے گئے تھے، ان میں سے ہر ایک ہوا میں پانچ گز اوپر کسی سہارے کے بغیر معلق تھے، ان بتوں میں سے ایک کی آنکھ میں دو لعل تھے، جو فروخت کیے جاتے تو صرف ایک کی قیمت پچاس ہزار دینار ہوتے اور دوسرے بتوں کی آنکھوں میں نیلم تھا جو پانی سے زیادہ صاف اور بلور سے زیادہ چمک دار تھا، ان بتوں میں اٹھانوے ہزار تین سو مثقال کے سونے تھے۔"

(تاریخ یمینی بحوالہ الیٹ جلد دوم ص ۴۴)

حسن نظامی اور ہندوستان

مسلمان جب یہاں آئے تو ان کو اپنی فتح و تسخیر کے سلسلے میں خوں ریز لڑائیاں ضرور لڑنی پڑیں، ان کی حکومت قائم ہونے پر بھی ان کو یہاں کے اصلی باشندوں سے کچھ دنوں دوری بھی ضرور رہی لیکن جب انھوں نے اس ملک کو اپنا وطن بنا لیا تو

Marfat.com

پھر اس سرزمین کی خاک سے ان کو غیر معمولی محبت ہوگئی اور اس کی کسی چیز میں حسن پاتے تو اس سے متاثر ہوکر اس کا ذکر والہانہ انداز میں کرتے۔ حسن نظامی اصلاً نیشاپور کا رہنے والا تھا لیکن دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوگیا، اس نے اپنی کتاب تاج المآثر مملوک سلاطین کے عہد لکھی تو اپنے اس نئے وطن کی ہر اچھی چیز کا ذکر والہانہ انداز میں کرتا، دہلی کو ہندوستان کا اُم البلاد کہا۔ اس نے اندرپرست کی شہر پناہ کو دیکھا تو اُس زمانے کے انداز بیان کے مطابق لکھا کہ اس کی اونچائی اور مضبوطی میں کوئی برابری نہیں کرسکتا۔ پھر اس کی لمبائی اور چوڑائی میں بھی ہفت اقلیم میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ (الیٹ جلد دوم ص ۲۱۶) اور جب اس نے گوالیار کا قلعہ دیکھا تو ہندوستان کے فن تعمیر سے متاثر ہوکر لکھا کہ یہ ہندوستان کے ہار کا موتی ہے۔ اس کی اونچائی تک ہوا زمین سے نہیں پہنچ سکتی، اس کی فصیلوں پر بادل کا سایہ نہیں پڑ سکتا ہے، اس کی اونچائی کو دیکھ کر آسمانی سیارے بھی ششدر رہ جاتے ہیں۔
(الیٹ جلد دوم ص ۲۲۷)

ایک موسم بہار میں حسن نظامی لاہور پہنچا تو راوی کے کنارے کھڑا ہوکر موسم کے حسن سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے فوراً اشعار کہنے شروع کر دیے جن میں وہ کہتا ہے کہ اس وقت ہوا سوسن اور گلاب سے چاندی اور سونا حاصل کر رہی ہے، راوی پر اللہ کی رحمت برس رہی ہے۔ اس کی مٹی میں آذر کے سینکڑوں نقوش نظر آرہے ہیں، اس کی ہوا میں مصور مانی کے سیکڑوں اثرات دکھائی دے رہے ہیں، اس کے بادل آدم کی آنکھیں معلوم ہو رہے ہیں اس کی ہوا میں دم عیسیٰ کا اثر ہے، اس کے بادل سے برابر چمن میں موتی برس رہے ہیں، اس کی نسیم سحری زندگی میں روح پھونک رہی ہے، اس کی ہوا زریں جام میں مستانہ بلبل کو صبح کی شراب پیش کر رہی ہے

فشاند از سوسن و گل سیم و زر باد — زہے راوی کہ رحمت باد بر باد
بداد از نقش آذر صد نشاں خاک — نمود از سحر مانی صد اثر باد
مثالِ چشمِ آدم شد مگر ابر — دلیل نفس عیسیٰ شد مگر باد
کہ در بارید دم دم بر چمن دہر — کہ جاں آورد خوش خوش در سحر باد
برائے بلبل مستانہ مستانہ — کند عرض صبوحی حسام زر باد

Marfat.com

منہاج سراج اور دہلی

سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی کو بڑی خوش حالی اور شہرت حاصل ہوئی اس دور کے مورخوں اور سفیروں نے اس کی تعریف دل کھول کر کی ہے۔ طبقات ناصری ۱۲۵۹ء میں لکھی گئی اس کے مصنف منہاج سراج نے اپنے زمانے کی دہلی کو محیط رجال آفاق کہا ہے، یعنی جہاں دنیا بھر کے لوگ آکر جمع ہو گیے تھے۔ (طبقات ناصری ص ۱۶۶)

عونی اور ہندوستان

لباب الالباب وجوامع الحکایات ولوامع الروایات سترہویں صدی کے آغاز میں لکھی گئی۔ اس کے مولف سدید الدین عونی نے ہندوستان پر فخر کرتے ہوے لکھا کہ سلطان شمس الدین کے زمانے میں اس ملک کا ادنی شہری قیصر و کسریٰ اور تاتاری چین کے خان سے بہتر ہے۔

کمین بندۂ او بہ ز قیصر و کسریٰ   کمین چاکر او بہ ز خان چین تتار

عصامی اور دہلی

عصامی نے فردوسی کے شاہ نامہ کے طرز پر ہندوستان کے بادشاہوں کے احوال اپنی فتوح السلاطین میں لکھنے کی کوشش کی، یہ ۱۳۵۰ء میں مکمل ہوئی۔ وہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد کی دہلی کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہاں اس لیے رونق ہے کہ عرب سے صحیح النسب سادات پہنچ گئے تھے، خراسان سے اہل صنعت، چین سے نقش بند، بخارا سے علما، ہر ملک سے زاہد عابد اور صناع، ہر شہر سے سیمیں بدن، بہت سے جوہری، یونان کے حکما، روم کے طبیب، ہر طرف سے اہل دانش یہاں آے تو یہ شہر ہفت اقلیم کا کعبہ بن گیا ص ۱۱۴۔ (ڈاکٹر آغا مہدی حسین اڈیشن)

دراں شہر یک رونقے شد پدید   بلے لذتے باشد اندر جدید
بسے سیدان صحیح النسب   رسیدند در وے ز ملک عرب
بسے کاسبان خراساں زمیں   بسے نقش بندان اقلیم چیں

Marfat.com

بسے عالمانِ بخارا نژاد — بسے زاہد و عابد از ہر بلاد
ز ہر ملک ہر جنس صنعت گراں — ز ہر شہر ہر اصل سیمیں براں
بسے ناقدانِ جواہر شناس — جواہر فروشاں بروں از قیاس
حکیمانِ یوناں طبیبانِ روم — بسے اہلِ دانش ز ہر مرز و بوم
دراں شہر فرخندہ جمع آمدند — چو پروانہ بر نورِ شمع آمدند

یکے کعبۂ ہفت اقلیم شد
دیارش ہمہ دار السلیم شد

Marfat.com

ہندوستان پر تاتاریوں کی یورش

بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں ایشیا میں قہر الٰہی تاتاریوں اور چنگیز خانیوں کی غارت گری، خوں ریزی کی ہولناک شکل میں نمودار ہوا، وہ جہاں گئے خون کی ندیاں بہہ گئیں، اُن کا سیلاب، روس، ترکی، ایران، افغانستان کی طرف بھی بڑھا، ترکستان کا خوارزم شاہی خاندان ان کی وجہ سے برباد ہوا۔ بغداد میں عباسی خلیفہ المعتصم تہ تیغ کیے گئے۔ اُن کا تسلط بحر اسود سے بحر چین اور سائبیریا سے سیستان تک قائم ہو گیا تھا۔ اُنھوں نے ہندوستان کو بھی روندنے کی کوشش کی، لیکن ہندوستان نے اس وقت موت اور غارت گری کے ان بے پناہ دیووں کو روکا اور ان بیرونی دشمنوں سے اپنے کو محفوظ رکھا۔ یہ ہندوستان کی حربی فوجی اور وطن دوستی کی تاریخ کا بہت ہی زریں اور شان دار باب ہے۔

چنگیز خاں (المتوفی ۱۲۲۶ء) نے چین، بلخ، بخارا، سمرقند اور خوارزم زیر نگیں کر لیے وہ سندھ کی طرف بھی بڑھا مگر اس علاقے کو تباہ و برباد کر کے واپس چلا گیا۔ اُس نے دلّی کی طرف رُخ نہیں کیا۔

تاتاریوں پر ہندوستان کی عظمت دکھانے کی کوشش

ناصر الدین محمود (۱۲۴۶-۱۲۶۵ء) کے زمانے میں بھی چنگیز خانیوں نے حملہ کرنے کی کوشش کی۔ ۱۲۵۹ء میں وہ دلّی کی طرف بڑھے لیکن بے نیل مرام واپس گئے۔ ہلاکو خاں نے اپنا ایک ایلچی ناصر الدین محمود کے دربار میں بھیجا، اس کی آمد کے موقع پر اس کا غیر معمولی استقبال کیا گیا، تاکہ اس پر ہندوستان کی شان و شوکت اور قوت و عظمت کا پورا رعب قائم ہو۔ اس کے بعد چنگیز خانیوں کو اس ملک کی طرف رُخ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اس موقع پر جو مرقع آرائی منہاج سراج نے طبقات ناصری میں کی ہے، اس کا خلاصہ

Marfat.com

یہ ہے :

الغ خاں معظم (یعنی بلبن) نے مسند آرائے اعلیٰ (یعنی ناصر الدین محمود) کے سامنے عرض کیا کہ خراسان کے ایلچی کے لیے مناسب ہے کہ وہ دار السلطنت میں لایا جائے اور دست بوس ہو۔ فرمان کے مطابق ۹ ربیع الاول ۶۵۸ھ میں لشکر ہمایونی کوشک سبز سے متحرک ہوا۔ الغ خاں معظم نے فرمان جاری کیا کہ دار السلطنت کے اطراف و احوال سے صاحب دیوان عرض ممالک سپاہیوں کو مسلح کریں۔ تقریباً دو لاکھ پیادے اور پچاس ہزار سوار برگستوان اور جھنڈوں کے ساتھ دار السلطنت میں جمع ہو گئے۔ شہر کے اونچے، درمیانی اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ اور مسلح سوار اور پیادے باہر نکلے تو ... ان کی صفوں سے قیامت اور محشر کے ایسا دن نظر آنے لگا ... ہر طرف ہنگامہ اور شور برپا تھا ... الغ خاں نے سب کو صفیں درست رکھنے کا حکم دیا، جو امرا، ملوک اکابر صدور اپنے اپنے گروہوں کے ساتھ تھے ان کو اپنے جھنڈوں اور ہتھیاروں سے سے اپنی اپنی جگہوں پر برقرار رہنے کو کہا۔ اس جمعیت سے ہر طرف ایک ہیبت طاری تھی۔ طبل و دمامہ کی آواز، چنگھاڑنے والے ہاتھیوں اور ہنہنانے والے گھوڑوں کے شور سے آسمان کے کان بہرے اور حاسدوں اور بدخواہوں کی آنکھیں اندھی ہو رہی تھیں۔ ڈر تھا کہ ترکستان کے ایلچیوں کی نظر اس ہجوم پر پڑے گی، تو کہیں اس کی ہیبت اور ہول سے ان کی روح پرواز نہ کر جائے اور ظن غالب بلکہ یقین تھا کہ چنگھاڑنے والے ہاتھیوں کے حملے سے انھیں میں سے بعض اپنے گھوڑوں پر سے لڑکھڑا کر نیچے گر جائیں گے۔ حق تعالیٰ اسی مملکت سلطنت اور اس کے لشکر، ملوک اور دولت کو چشم بد سے دور رکھیں۔ جب ایلچی شہر کے دروازے پر پہنچے تو ملوک نے شاہی فرمان اور الغ خاں معظم کے استصواب سے استقبال کی رسم ادا کی، اور ان کی توقیر کے لیے اعزاز کے تمام شرائط پورے کیے، اور ان کو پوری عزت سے قصر سبز میں لا کر تخت کے سامنے پیش کیا۔ اس روز قصر کو ہر طرح کے فرش، قالین، سونے اور چاندی کی شاہانہ چیزوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ تخت کے پاس دو سیاہ چتر، جواہرات اور

Marfat.com

محل سے آراستہ کھلے ہوئے تھے، تخت زرّین کو سلطان زینت دیئے ہوئے تھے۔ دربار کے ملوک کرام، امرائے عظام، صدور، اکابر، زرّیں کمر والے خان، ترک اور پہلوان تمام کرّ و فر کے ساتھ کھڑے تھے، مرصّع خوان اور لمع طشت بھی تھے، اور پورا دربار خلد بریں اور فردوس ہشتمیں معلوم ہو رہا تھا۔

(طبقات ناصری: ۳۱، ۳۱۸)

مولانا منہاج سراج نے اس موقع پر ایک قصیدہ بھی کہا جس میں وہ نہ صرف جشن، سلطان اور اس کی بزم، بلکہ دلی اور، ہندوستان سے اپنی غیر معمولی محبّت کا اظہار کرتے ہوئے جشن کو خلد بریں، دلی کو بہشت ہشتمیں اور ہندوستان کو خوشتر از چین کہتے ہیں:

زہے جشنے کزو اطراف چوں خلد بریں گشتہ
خمے یزمے کزو اکناف عدل راستیں گشتہ

ز ترتیب نہاد و رسم و آئین و نشاط او
تو گفتی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمیں گشتہ

ز فرّ ناصر الدین شاہ محمود بن التمش
ملک نزدش دعا خواندہ فلک پیشش زمیں گشتہ

شہنشاہے کہ دو عالم بفیض فضل ربانی
سزا چتر شاہی لائق تخت و نگیں گشتہ

چو خاقانان کبیں آور چو سلطانان دیں پرور
بدل ماحیِ کفر است و بجاں حامیِ دیں گشتہ

مبارکباد بر اسلام ایں بزم شہ عالم
کزیں ترتیب ہندوستاں بسے خوشتر زچیں گشتہ

تاتاریوں کے مقابلہ میں ہندوستانی لشکر کی تعریف

غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶ - ۱۲۸۶) کے عہد حکومت میں چنگیز خانیوں کے حملے برابر ہوتے رہے، مگر وہ سندھ اور پنجاب تک لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے۔

Marfat.com

اس نے اپنے چہیتے ولی عہد شہزادہ محمد سلطان کو ملتان کا حاکم بنا کر بھیجا تا کہ وہ وہاں سے ان دشمنوں کی سرکوبی کرے، شہزادے نے بڑی پامردی سے چنگیز خانیوں کو تہ تیغ کیا، جو سرحدی مقامات پر آکر لوٹ مار اور غارت گری کیا کرتے تھے اور ان کے قبضہ سے سارا علاقہ نکال لیا۔ اس نے تاتاریوں کو حدود ملتان سے بخارا کی طرف مار بھگایا، تو امیر خسرو کہتے ہیں۔

اے آتشیں دریا صفت خورشید در تاب تفت

شمشیرت اندر کفت کاتش زدریا برکند

زانگونہ کز آب سناں در لشکر کافر دواں

کاں تیز آب از موج آں سر در بخارا برکند

پھر ان کو دریا عبور کرنے کی ہمت نہیں ہوئی اور ان کافروں سے ہندوستان کچھ دنوں کے لیے محفوظ ہو گیا۔

ہندوستاں را کے رسد از لشکر کافر زیاں

از تیغ کافر سوز او تا ہست آب اندر میاں

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ ہندوستان کا لشکر ان دشمنوں کے خلاف کوہ قاف بن کر کھڑا ہوا۔

(وسط الحیٰوۃ : ۱۰۵)

دولتش امسال چوں لشکر کشید تیغ نصرت بر سر کافر کشید

خیش بیروں راند کہ بر عزم مصاف راست کردہ لشکرے چوں کوہ قاف

لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے دلیر سواروں کی وجہ سے شیر کے جسم پر لرزہ آگیا۔

(ایضاً)

جنبش تیزی سواران دلیر لرزہ می انگند در اندام شیر

لیکن ۱۲۸۵ء میں تاتاریوں کا ایک بہت بڑا لشکر پھر حملہ آور ہوا، انھوں نے لاہور اور دیپال پور کو غارت کرتے ہوئے ملتان کا رخ کیا، شہزادہ محمد سلطان ملتان سے نکلا۔ لاہور کے پاس دریا کے کنارے ان کا مقابلہ ہوا، چنگیز خانیوں کو شکست ہوئی۔ شہزادے کے لشکریوں نے ان دشمنوں کا تعاقب کیا، مگر شہزادہ

Marfat.com

خود اپنے پانچ سو لشکریوں کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھنے لگا، یکایک دو ہزار غنیم کمین گاہ سے نکل کر شہزادے پر حملہ آور ہوئے، اس نے بڑی دلیری اور جاں بازی سے ان کا دیر تک مقابلہ کیا، قریب تھا کہ دشمن شکست کھا کر فرار ہو جائیں، کہ اچانک ایک تیر آ کر شہزادے کو ایسا لگا، کہ وہ اس کے زخم سے جانبر نہ ہو سکا، اس کی شہادت ہندوستان کی تاریخ کا ایک بڑا المناک حادثہ ہے،

ہندوستانی فوج کی برتری

غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہندوستان کی فوجی قوت ایسی بڑھ گئی تھی، کہ معز الدین کیقباد (۱۲۸۷ - ۱۲۹۰) جیسے کمزور اور عیش پرست حکمراں کے زمانہ میں بھی ہندوستان تاتاریوں کی یلغار اور یورش سے محفوظ رہا، ۱۲۹۱ء میں ہلاکو کے پوتے عبداللہ نے ڈیڑھ لاکھ خونخوار لشکریوں کے ساتھ ہندوستان کا رُخ کیا، اس وقت جلال الدین خلجی دہلی کے تخت پر متمکن تھا، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے، کہ سلطان جلال الدین خلجی نے پورے دبدبہ کے ساتھ اپنے لشکریوں کو لے کر دارالسلطنت سے کوچ کیا، اور سندھ کے پاس لب دریا بررام کے مقام پر دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی، برنی کا بیان ہے، کہ شاہی لشکر روزانہ ان دشمنوں کو تہ تیغ کرتے اور ان کے سرداروں میں سے امیران ہزارہ اور امیر صدہ کو گرفتار کر لائے، بالآخر عبداللہ نے صلح کی درخواست کی اور جلال الدین کو اپنا باپ کہہ کر اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، سلطان نے ان کو پناہ دی، ان ہی میں سے ایک سردار سلطان الغو مسلمان ہو گیا، جس سے سلطان نے رشتہ بھی قائم کر لیا، مغلوں کو دہلی کے جس محلہ میں بسایا گیا تھا، اس محلہ کا نام مغل پورہ رکھا گیا (تاریخ فیروز شاہی ۲۱۸ - ۲۲۰) لیکن عصامی نے اس لڑائی کا حال کچھ اور لکھا ہے۔ اس کی منظوم تاریخ فتح السلاطین کو شاہنامہ ہند بھی کہا گیا ہے، اس میں عصامی نے ہندوستان کی عظمت کو ہر حال میں برقرار رکھنے کی سعی کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ جلال الدین کا فوجی سردار بررام پہنچا، تو اس کے لشکری مغلوں کو تہ تیغ کرتے، اور ان کو گرفتار کر کے لائے ان میں سے ایک نے ان کو جس طرح ہندوستان کی فوج کی برتری جتا کر للکارا تھا، اس کی تصویر عصامی نے اس طرح

Marfat.com

کھینچی ہے:

(فتوح السلاطین بہ تصحیح ڈاکٹر آغا مہدی حسین، صفحہ ۲۰۵)

از ایشاں یکے راسوے شاہ شاہاں	رواں کرد صفدار ہندوستاں
بدو گفت آں سرکش نام جوے	کہ از من سپہدار خود را بگوئی
مگر غول غفلت ببردت زراہ	کہ ابد کشیدے بیکایک سپاہ
دگر نے چو خامان غافل چرا	بپاے خود افتادی اندر بلا
نکردے یکے فکر اندر نہاں	ز غوغاے افواج ہندوستاں
بریں سوزوی خیمہ از آب ہند	نگندے شغب در نواحی سند
زبونی چہ دیدی دریں بوم و بر	کہ یکسر نہادے دریں ملک سر
مگر نام گرداں ایں مرغزار	نیفتاد در گوشت اے نامدار
کنوں جاں کم از دست مرداں بری	مگر سر در آری بہ فرماں بری

اس چیلنج سے تاتاریوں کی فوج میں سراسیمگی پھیلی اور انھوں نے واپس ہو جانے کا ارادہ کیا، لیکن دوسرے دن یکایک لڑائی بھڑک اٹھی، ہندوستانی فوجی سردار بڑی شوکت کے ساتھ ان سے لڑنے کو آگے بڑھے، تیس ہزار ہندوستانی سوار زرہ بکتر اور زنجیرے سے لیس تھے، وہ دشمن کے شکار کے لیے مست ہاتھی کی طرح آگے بڑھے، ان کے ساتھ ہندی نژاد سوار گھوڑے پر سوار تھے، انھوں نے ہر طرف سے مغلوں کی راہ روک لی، مغل دہشت زدہ اگرچہ پہلے ہی سے تھے، اس کے باوجود وہ لڑنے کو تیار ہو گئے لیکن شاہی لشکریوں کی گرد سے ان کو دنیا اندھیر نظر آئی اور لڑائی شروع ہوئی، تو ایسی لڑائی مغلوں نے نہیں دیکھی تھی، (ایضاً: ۲۰۶)

اب ذرا عصامی کے پر جوش اشعار سے لطف اٹھائیں:

سپہ راند صفدار ہندوستاں	گذشت از شکوہش سر آسماں
ز ہندی سواراں بل سی ہزار	ہمہ ترکش انداز و نیزہ گذار
بدشمن شکارے ہمہ چیرہ دست	خروشاں و جوشاں چو از فیل مست
نشستہ بر اسپان ہندی نژاد	چو آتش تہ بانہ زناں روز باد

Marfat.com

زآہن قبا و کلاہ ہمہ — کمر بستہ گرگاں بقصد رمہ
سنادند پیش سپاہ مغل — بہر سو گرفتند راہ مغل
مغل پیشتر زانکہ راند سپاہ — جہاں دید از گرد گشتہ سیاہ
سپاہ مغل گشتہ بد ہوشیار — شدہ ہر یکے پیل بر اسپ سوار
درانجا دو لشکر مقابل ستاد — زہر سوے نامرد را دل فتاد
مغل پیش ازاں دہشتے خوردہ بود — مقامے بہ یک قلب کہ کردہ بود
درآنجاے ہر یک بہ پیچیدہ ماند — کس از لشکر خویش بیروں نہ راند
بمیداں نگشتہ کسے کینہ خواہ — ایا سرفرازان ہندی سپاہ
وزیں سوے افواج ہندوستاں — ہمہ ضبط کردہ رکاب و عناں
رخ آوردہ سوے سوار مغل — ندیدہ گہے کارزار مغل
دو لشکر تماشا کناں یک دگر — ہمہ بر بنا گوش بستہ سپر
بہ حیرت کہ بازی گر روزگار — چہ لعبت زپردہ کند آشکار
دراں روز تا شب سران سپاہ — نہ جنبید از جا دراں حرب گاہ
شتابی نہ کردند شیران نر — کہ آگہ بنودند از ہمدگر

رات آگئی تو لڑائی رک گئی دوسرے دن پھر جاری ہوئی، ہندوستانی فوج ان بیرونی دشمنوں کی طرف بڑھی تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک پہاڑ متحرک ہوگیا ہے، بلکہ دریائے خون میں سیلاب آگیا ہے اور اس کے اندر کے نگرمچھ نکل پڑے ہیں، فوج نے مغلوں کو ہر طرف سے گھیر لیا۔

(ایضاً : ۲۰۷ - ۲۰۸)

صف ہند را ہیچ صبرے نماند — بزد کوشش و سوے بدخواہ راند
تو گوئی بجنبید کوہے زجاے — بکوہے دگر گشت حملہ گراے
نہ کہ بلکہ زد سیل دریاے خوں — نہنگاں لبے آمدہ زد بروں
بدریاے دیگر شدہ ہم نبرد — بداں تا زنعرش برآرند گرد
غرض چوں صف ہند از ہر طرف — بزد ہر سپاہ مغل صف بصف

اس روز بھی لڑائی ہوتی رہی جو رات کے وقت رک گئی۔ لیکن رات ہی کے وقت مغل چپکے سے فرار ہوگئے، وہ ہندوستانی فوج کی تاب نہ لا سکے۔ صبح ہوئی تو مغلوں

58978

Marfat.com

سے میدان کارزار خالی تھا، ہندوستانی فوج احتیاطاً ایک ہفتہ میدان میں مقیم رہی اور جب اس کو یقین ہو گیا کہ ہندوستان کا بوستان الو سے خالی ہو گیا تو دارالسلطنت کی طرف خوش خوش پلٹی، جہاں اس کے سرداروں کو شاہانہ خلعت سے نوازا گیا۔

(ایضاً : ۲۰۸)

شنیدم چو پاسے ز شب برگذاشت | صفِ کافر آہستہ در کوچ گشت
چو شد روز افواج ہندوستاں | تہی دید لشکرگہ دشمناں
یکے ہفتہ کردند آنجا مقام | طلایہ ہمی گشت ہر صبح و شام
چو تحقیق شد ہر صف آرائے ہند | کہ بگذشت کافر ز اقصائے ہند
بہ معنی مغل را ز ہندوستاں | بروں کرد چوں بوم از بوستاں
دگر روز ز آنجا سوئے تختگاہ | بصد خرمی راند بحر سپاہ
چو در حضرت شاہ خود سر نہاد | شہش با تمامی سراں جامہ داد
فراواں بر دگفت شہ آفریں | چنیں آید از خسروانِ گزیں

تاتاریوں کے خلاف ہندوستان کی مدافعت میں علاء الدین خلجی کے کارنامے

علاء الدین خلجی (۱۲۵۶ - ۱۳۱۶ء) کے زمانے میں تاتاریوں کے سات حملے ہوئے اور ہر حملہ ہندوستانی فوج کی نبرد آزمائی سے پسپا ہوا، پہلا حملہ ۱۲۹۸ء میں ماوراءالنہر کے تاتاریوں نے ایک لاکھ لشکریوں کے ساتھ کیا، وہ غارت گری کرتے ہوئے دریائے سندھ تک پہنچ گئے، ہندوستانی فوج نے الغ خاں اور ظفر خاں کی سرداری میں جالندھر کے پاس ان کا مقابلہ کیا، تاتاری ہارے ان میں سے بارہ ہزار لشکری مارے گئے، ان کے سردار بیوی بچوں کے ساتھ قیدی بنا کر دلی لائے گئے، اس فتح سے ہندوستان کی قوت کی شہرت ہوئی، جس کی خوشی میں بڑا جشن منایا گیا، شہر میں قبے بنائے گئے، فتح نامہ پڑھ کر سنایا گیا، شادمانی کے باجے بجائے گئے،

(تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ۲۵۰)

۱۲۹۹ء میں تاتاری پھر حملہ آور ہوئے، انھوں نے سیوستان پر قبضہ کر لیا، لیکن ظفر خاں نے وہاں پہنچ کر ان حملہ آوروں کو پسپا کیا، اور ان کے سردار سلدی

Marfat.com

اس کے بھائی اور دوسرے لشکریوں کو ان کی عورتوں سمیت گرفتار کر کے دلی لایا، جس سے اس کی بہادری، دلاوری اور بے باکی کا بڑا رعب بیٹھا، اور ان لوگوں کو خیال ہوا کہ ہندوستان میں ایک دوسرا ستم پیدا ہو گیا ہے۔

(برنی : ۲۵۴)

تاتاری اس ذلت آمیز پسپائی کا بدلہ لینے کے لیے ۱۲۹۹ء کے آخر میں قتلغ خواجہ کی سرداری میں دو لاکھ لشکری کے ساتھ ہندوستان کی طرف بڑھے، اور انھوں نے دریائے سندھ کو عبور کر کے سیدھے دلی کی طرف رُخ کیا، یہاں کے باشندوں میں بڑی سراسیمگی پھیلی، وہ سب سمٹ کر دلی کے حصار کے اندر چلے آئے، بازاروں گلیوں، گھروں اور مسجدوں میں لوگ کھچا کھچ بھر گئے، شہر میں گرانی بڑھ گئی، حملہ آوروں نے راستے مسدود کر دیے تھے، اس لیے سوداگروں اور غلہ فروشوں کا آنا جانا بھی بند ہو گیا لیکن اس موقع پر سلطان علاء الدین کی بہادری کام آئی، وہ اپنے پورے دبدبے کے ساتھ لشکر لے کر شہر سے باہر چلا آیا، اور سیری میں خیمہ زن ہوا، اس نے اپنی مملکت کے ہر طرف سے فوجی سرداروں اور لشکریوں کو طلب کرنا شروع کیا، دلی کا کوتوال اس وقت علاء الملک تھا، جس کی رائے اور ہوش مندی پر سلطان علاء الدین کو بڑا بھروسہ تھا۔ وہ سلطان کو اس کی مجلس خلوت میں مشورے دیا کرتا تھا، وہ بھی تاتاریوں کی زبردست یورش سے پریشان ہوا، وہ سلطان کے پاس آیا، اور اس کو مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

> ہم سے پہلے کے جن قدیم بادشاہوں اور وزیروں نے جہاں داری اور جہانبانی کی ہے، وہ کسی بڑی لڑائی کے موقع پر جب یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ایک لمحہ میں کیا ہو جائے گا اور فتح کس کی ہو گی، تو وہ بڑی لڑائی سے اجتناب کرتے اور انھوں نے جب ملک اور سلطنت کو بڑی لڑائیوں کی وجہ سے خطرے میں دیکھا، تو اس کے لیے کچھ وصیتیں چھوڑی ہیں، پرانے بادشاہوں کے وصایا میں لکھا ہے، کہ لڑائی ترازو کا پلہ ہوتی ہے، چند نفر کے غلبہ سے ایک پلہ بھاری اور دوسرا ہلکا پڑ جاتا ہے، اور کچھ دیر میں کام ہاتھ سے نکل جاتا ہے، اور اس کو

Marfat.com

پھر سے کامیابی سے سرانجام دینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اگرچہ لڑائیوں میں لشکر کے سرد رول سے انہزام اور شکست کا چنداں خطرہ نہیں ہوتا' اور امید منقطع نہیں ہوسکتی' لیکن ہمسروں کی لڑائیوں میں جب ملک کی بازی لگادی جاتی ہے' تو اس وقت بادشاہوں کو بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے' تاکہ مضبوطی اور ٹھیک رائے سے لڑائی کو روک سکیں' اور اگر وہ لڑائی کو مہلک سمجھتے ہیں' تو قاصد وغیرہ کو بھیجتے ہیں' خداوند عالم کو جان والے اونٹوں کو ان مغلوں کے مقابلے کو بھیجیں اور لشکر کو ان کے پیچھے رکھیں' مغل مور و ملخ کی طرح آتے ہیں' ان سے لڑنے میں ابھی توقف کریں' اور دیکھیں کہ وہ کیا کرتے ہیں' اور معاملہ کہاں تک بڑھتا ہے اگر لڑائی کے سوا چارہ نہ ہو' تو لڑائی کی جائے۔ تمام لوگ حصار کے اندر سمٹ آئیں' مغلوں کے پاس بہت بڑا لشکر ہے۔ وہ دس سواروں کو بھی اپنے سے جدا نہیں کرسکتے یہ دیکھنا چاہیے کہ رسد کے بغیر وہ کب تک رہ سکتے ہیں' اگر کچھ روز میں ان کے مزاج' ارادے' اور نیت کا اندازہ ہوجائے تو بہتر ہے' اگر یہ ترک آکر واپس ہوجائیں' اور لوٹ مار میں مشغول ہوجائیں' تو اس وقت ان کا تعاقب کرنا درست ہوگا۔ (برنی : ۲۵۶)

علاء الملک کی ان باتوں کو سن کر سلطان علاء الدین پر جو اثر ہوا وہ بھی ضیاء الدین برنی ہی کے الفاظ میں سننے کے لائق ہے۔

سلطان علاء الدین نے ہوا خواہ ملک علاء الملک کی باتیں سنیں اور آفریں کہی' پھر اپنے بڑے بڑے خوانین اور ملوک کو اپنے سامنے بلایا' اور ان کو مخاطب کرکے مجمع میں کہا کہ تم جانتے ہو علاء الملک وزیر اور وزیر زادہ ہے' میرا بہت مخلص اور ہوا خواہ ہے' میں جب تک تھا' اس وقت سے اب تک مجھ کو مشورے دیتا ہے' میں نے اس کو موٹاپے کی وجہ سے کوتوالی دے دی ہے' ورنہ اس کا حق وزارت کا تھا' اس نے مغلوں پر حملہ نہ کرنے سے متعلق مجھ کو کچھ مشورے دیے ہیں اور اچھی دلیلیں پیش کی ہیں' اب میں تم لوگوں کے سامنے اس کو جواب دیتا ہوں' اس کو سنو' پھر وہ علاء الملک کی طرف مخاطب ہوا' اور کہا اے ملک علاء الملک! تم میرے مخلص اور قدیم چاکر ہو' تم اپنی دانائی کی وجہ سے وزارت کے لائق ہو' میں

Marfat.com

تمہارا ولی نعمت، مربی اور بادشاہ ہوں اب میری سچی اور صحیح بات سنو، مجھ سے اور تم سے پہلے ایک مثل کہی گئی ہے، کہ اونٹ کا چرانا اور پیٹ جھکا کر چلنا ساتھ ساتھ نہیں چل سکتا، دلی کی بادشاہت اس طرح قائم نہیں رہ سکتی، جس طرح کہ تم نصیحت کرتے ہو، اونٹوں کے کوہان کے پیچھے پیچھے چھپ کر مغلوں کو نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔ اور جنگ سے پرہیز کر کے بادشاہت قائم نہیں رکھی جا سکتی، کسی طرح مناسب نہیں، کہ مغلوں سے لڑائی نامردوں کے شور کرنے سے ختم کی جائے، اگر ہم تمہاری رائے پر عمل کریں، تو ہمارے زمانے کے لوگ اور آئندہ آنے والی نسلیں ہماری داڑھیوں پر ہنسیں گی، اور ہماری نامردی پر طعنہ دینگی، ہمارے دشمن دو ہزار کوس چل کر یہاں آئیں، اور دلی کے منارہ کے پاس جنگ کرنا چاہیں تو تم کہتے ہو، کہ ایسے موقع پر ہم سستی اور نامردی دکھائیں اور راونٹوں کو آگے کر کے بط اور مرغ کی طرح انڈوں پر بیٹھ جائیں، اور ان دشمنوں کو عقل اور تدبیر سے دفع کریں، اگر میں اس طرح کروں، جس طرح کہ تم نے کہا ہے تو پھر میں اپنا یہ چہرہ کس کو دکھا سکوں گا، اپنے حرم کے اندر کس منہ سے جاؤں گا، ملک کے لوگ مجھ سے کیا حساب کتاب کریں گے اور پھر میری ہمت اور شجاعت کیا رہ جائے گی۔ جس سے میں اپنے سرکشوں اور باغیوں کو اپنا فرماں بردار بنا سکوں گا، جو کچھ ہو میں کل بیری سے بڑھ کر کیلی کے میدان میں چلا جاؤں گا، اور اس جگہ قتلغ خواجہ اور اس کے لشکر سے جنگ کروں گا اور میرے اور اس کے درمیان لڑائی اور خونریزی ہوگی، دیکھیں خدا کس کو ظفر و نصرت عطا کرتا ہے، اے علاء الملک! شہر کی کوتوالی تم کو دی، اپنے حرم، خزانہ، اور تمام شہر کو تمہارے حوالہ کیا، ہم میں سے جو مظفر و منصور ہو اس کو دروازے اور خزانے کی کنجیاں دے دینا، اور اس کے فرماں بردار ہو جانا، تم اتنی عقل اور فراست کے باوجود یہ نہیں جانتے کہ عقل اور تدبیر اس وقت کام کرتی ہے جب دشمن سامنے نہیں پہنچتا، اور جب دشمن اتنے لشکر کے ساتھ روبرو آ گیا ہے تو اس کے روبرو ہونے اور ہتھیلی پر جان رکھنے، تلوار، تیر، گرز اور دھار سے زخم کھانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا، گھر کی کہانی بازار میں کام نہیں آتی، گھر میں چار گز کا جو صاف ستھرا کپڑا کام آتا ہے، لڑائی اور خوں ریزی کے میدان میں

Marfat.com

جہاں خون کی ندیاں بہتی ہیں، بیکار ہوتا ہے، تم نے مغلوں کے دفع کرنے کے لیے جو کہا اس کے متعلق میں نے سوچا، جب ہم اس لڑائی سے فارغ ہو جائیں گے اور اس جنگ کا حق ادا نہ کر سکیں گے، تو پھر تمہارے خیالات کو ہم سُنیں گے، تم لکھنے والے مرد ہو، اور لکھنے والے مرد کے نرزند ہو، تمہارے دل میں جو آئی وہ تم نے میرے سامنے کہہ ڈالی، (علاء الملک نے عرض کیا کہ میں آپ کا پُرانا نوکر ہوں، جو بات میرے دل میں آئی وہ میں نے عرض کر دی) سلطان نے کہا تم حلال کے کھانے والے ہو، تمہاری رائے میرے لیے مبارک ہوتی ہے لیکن اس وقت ایسی حالت پیش آگئی ہے، کہ عقل کو تو گوشہ میں رکھنا چاہیئے۔ اس وقت خون دینے خون بہانے، سر کو جسم سے جدا کرنے، تلوار کو برہنہ کرنے اور دشمنوں سے لڑنے کے سوا اب کوئی اور چارہ نہیں، (علاء الملک نے دست بوسی کی، سلطان کو رخصت کر کے واپس شہر میں آیا، تمام دروازے بند کر دیے، صرف بدایونی دروازہ کھُلا رکھا، شہر کے تمام چھوٹے بڑے لوگ حیرت میں تھے، لیکن ان کے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھے تھے) ۔ (برنی ۲۵۵-۲۵۹)

(یہ ترجمہ لفظی نہیں ہے، بلکہ بالکل آزادانہ ترجمہ ہے)

یہ کہہ کر سلطان علاء الدین نے کیلی آ کر اپنی فوج کو آراستہ کیا، اور تمام سرداروں کو ان کی جگہوں پر متعین کر کے خود فوج کے قلب میں شیر کی طرح کھڑا ہو گیا، ہندو راجہ بھی اس جنگ میں شریک ہوئے، ہندوستانی لشکر سے کوہ بھی لرز اُٹھا، اور تمام بہادروں نے دشمنوں کی راہ اس طرح روک لی، جس طرح شکار میں شیر کا راستہ روک لیا جاتا ہے، ہاتھی بھی صف آرا ہوئے، عصامی نے جنگ کی مرقع آرائی بڑے ولولہ انگیز طریقہ پر کی ہے، لکھتا ہے۔ (۲۴۹)

دگر روز لشکر ز دہلی براند — بزد کوس در سمت کیلی براند
بہ نزدیک کیلی میان دو آب — مقامے گزیدہ شہِ کامیاب
بیک سوئے آب و دگر سوئے خار — میان لشکرِ خسرو کامگار
گرفتہ یکے قلب گاہے سرہ — پس از میمنہ گشتہ تا میسرہ
نظر کردہ افواج خود را تمام — تعیں کردہ بر صفدرے را تمام
بہ قلب سپہ خود شہِ کامگار — چو شیراں بہ بیشہ گرفتہ قرار

Marfat.com

ظفر خان یل را بفرمود شاه | که باشد سوے دست راست سپاه
بر نامزد گرد د آں اے ہند | گروہے که از آں ابنائے ہند
سوئے دست چپ خان نصرت لقب | چو فرسنگ کرده زمیں را ادب
الغ خاں به پشتی آں کینه خواه | خروشاں شاده بفرمان شاه
اگر خان مقدم شدے با شکوه | ز رعبش بلرزید هر جا که کوه
به پشتی هر صف گرازے دلیر | کمیں کرده چوں دررہ صید شیر
پس آنگه علمها بفرمان شاه | زمیں دوز کرده سران سپاه
همه کوهها کرده زنجیر پیچ | سپه گشته آنجا سکونت بسیچ
بر فوج در بستگاں پیل مست | تعیں کرده آں خسرو چیره دست
ازاں زنده پیلان شرزه شکار | که کس بر نگوید دریں کارزار

خود مغلوں کے سردار نے اس لشکر کی تعریف کی، اس کو دریا سیاہ کہا اور اعتراف کیا، کہ ایسا لشکر دنیا میں نہیں دیکھا گیا، اس سے کیانی خاندان کے لشکر کا کر و فر تازہ ہو گیا، لشکر کے دلیر کیا ہیں، جنگل کے شیر ہیں۔ (ص ۲۵۱)

فرستاد شاه مغل سوے شاه | بگفتا که اے شاه دریا سپاه
عجب لشکر آید ببار راستی | عجب ترکه با ما وغا خواستی
ندارد کسے یاد اندر جهاں | چنیں شاه و لشکر به هندوستاں
گماں می برم اے شه نامور | کزاں کیانی بدیں کر و فر
چنیں آید از خسروان دلیر | که باشند در بیشهٔ خود چو شیر
اگر شرزه آید دراں مرغزار | نتابند هرگز سر از کارزار

علاء الدین خلجی کے ایک فوجی سردار کے کارنامے

اس جنگ میں ظفر خاں اور اس کے لڑکے نے بڑی بہادری دکھائی، جس کا ذکر عصامی نے بار بار کیا ہے، پہلے ظفر خاں کے لڑکے نے زبردست حملہ کرکے مغلوں کو پسپا کر دیا۔ (ص ۲۵۲)

یکے حمله آورد خان دلیر | که بود است پور ظفر خان شیر

Marfat.com

تہمر چوں نظر کرد آں حیرگی　　گذر کرد در چشم او تیرگی
شنیدم ہمی خواست کز بیم جاں　　گذارد زمین و بتابد عناں

پھر ظفر خاں کے حملے سے مغلوں نے پیٹھ دکھائی۔ (ص ۲۵۳)

شنیدم کزاں حملہ ہائے درشت　　سپاہ مغل حملہ بنمود پشت

اپنی ہزیمت کو سامنے دیکھ کر مغلوں نے سارا دباؤ ظفر خاں کی طرف ڈال دیا، ظفر خاں جہاں ایک ہزار فوج لیے کھڑا تھا۔ مغل دس ہزار سوار نے کر اس کی طرف بڑھے، ظفر خاں نے فوراً سرداروں کی ایک انجمن منعقد کی، اور ان کو مخاطب کر کے کہا: اے شیران سپاہ! میدان جنگ میں کون سی تدبیر اختیار کرنی چاہیے، اگر ہم ان کفار سے جان بچا کر فرار ہو جائیں گے، تو ہم اپنے سلطان کو کیا جواب دیں گے، اور اس کو کیا منہ دکھائیں گے، اور اگر ہم لڑنے کو آمادہ ہو جائیں، تو دس ہزار فوج کے مقابلہ میں ہمارے پاس ایک ہزار فوج ہے، ہم عجیب کش مکش میں ہیں، دو بھیڑیوں کے درمیان ایک بھیڑ آ گئی۔ نہ پیچھے ہٹتے ہیں اور نہ لڑائی لڑنے میں چین ہے، لیکن میں وہی کروں گا، جو اس مجلس میں آزمودہ کار بہادر مجھ سے کرنے کو کہیں گے، کچھ فوجی سردار مغلوں کی زیادہ تعداد سے گھبرا گیے تھے، انھوں نے ظفر خاں سے کہا اے خان! مغلوں کو پسپا کرنے میں تمہاری شہرت بہت دور تک پھیل چکی ہے، اس لیے اگر تم لڑائی کے بغیر سلطان کے پاس گیے، تو تمہاری شان میں کمی نہ ہو گی، ظفر خاں شجاعت اور معرکہ آرائی کے لیے اپنے زمانے میں بہت مشہور ہو چکا تھا، اس نے بزدلی اور کم عقلی سے میدان جنگ چھوڑنے میں ذلت اور خواری محسوس کی، اس کو اپنے فوجی سرداروں کا جواب پسند نہیں آیا، (ص ۲۵۵)

چو زاں قوم بشنید خاں ایں سخن　　خرد شید و جوشید چوں اہرمن

اس نے ان کو مخاطب کر کے پھر کہا ایک دن مرنا ہے۔ تو دشمنوں پر حملہ کر کے مرنا بہتر ہے، میں تو اس ہندوستان میں ناموروں کی موت مروں گا، اور آج ہی کی لڑائی میں جان دوں گا، تاکہ میرا نام تاریخوں میں زندہ رہے، ہر شخص اس نازک موقع پر وفادار رہنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ فوجیوں کے ساتھ آگے بڑھے تاکہ مہر و وفا کی کتاب میں اس کا نام باقی رہے، اور جو مراجعت چاہتے

Marfat.com

ہیں، وہ واپس ہوجائیں، ان کے ہاتھ پانوں بندھے ہوئے نہیں ہیں، وہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ عصامی نے بڑے ہی پرجوش طریقے پر اس رزمیہ کہانی کو قلم بند کیا ہے، لکھتا ہے۔ (۲۵۵)

بگفتا کہ اے قوم آشفتہ رائے　　ندانید فرقے ز سر تا بپائے
ہمہ حال چوں جاں بباید سپرد　　بباید نمودن یکے دست برد
من امروز ایدر چو نام آوراں　　کنم ختم در ملک ہندوستان
دہم جنگے ایدر کہ در روزگار　　بماند بہ شہنامہا یادگار
کر از سے کہ باما دریں وقت تنگ　　وفائے نماید بہنگام جنگ
ہمو ہست ہمراہ اہلِ غزا　　بود نقش نامش بہ مہر و وفا
گروہے کہ دارند بر عطف رائے　　نہ بستہ است شاں را کسے دست و پائے
سپہ تا نکرد است بر جنگ ساز　　سلامت ہمیں دم بگردند باز

ظفر خاں کی تقریر سن کر تمام فوجی سردار متاثر ہوئے، یکزبان ہوکر بولے ہم جان دینے اور آگ میں کودنے کے لیے تیار ہیں۔ (ص ۲۵۵)

کہ تا جاں بود جاں سپاری کنیم　　بہ پشت سر خود نخاک افگنیم
بفرمان خاں جملہ راضی شویم　　اگر خاں فرستد در آتش رویم

اس کے بعد ہندوستانی لشکر مغلوں پر ٹوٹ پڑا، بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی، مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ ظفر خاں بڑی بہادری سے لڑا، مغل اس کے حملہ کی تاب نہ لاسکے، اور شکست کھا کر بھاگے، ظفر خاں میں رستم کی طرح شجاعت تھی، اس نے ان ہزیمت خوردہ مغلوں کا پیچھا کیا، اور ان کو تہ تیغ کرتا ہوا اٹھارہ کوس تک ان کے تعاقب میں چلا گیا، مغلوں پر ایسی ہیبت طاری تھی کہ وہ اپنے گھوڑوں کے منہ میں دمچی اور دم میں لگام لگانے لگے۔ ان کے ہوش و حواس بجا نہیں تھے۔ مغلوں کا ایک سردار طوغی ظفر خاں کو آگے جاتے دیکھ کر اس کے پیچھے کمین گاہ میں ایک بڑے لشکر گاہ کے ساتھ چھپ گیا، اور جب ظفر خاں اپنے مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ پلٹ رہا تھا، طوغی خاں نے اس کو اپنے لشکریوں کے چاروں طرف سے گھیر لیا، اور اس پر تیر برسانا شروع کر دیا، ظفر خاں کے

گھوڑے نے جست کی اور وہ اس کی پیٹھ پر سے نیچے گر پڑا، پھر بھی اس کے اوسان خطا نہیں ہوئے، وہ صف شکن بہادر پیادہ پا ہو کر لڑنے لگا، اور اپنے ترکش سے تیر چلانے لگا، ہر تیر سے دشمن کا ایک سوار نیچے گرتا، ظفر خاں کی یہ بہادری دیکھ کر مغلوں کے سردار اعلیٰ قتلغ خاں نے اس کو یہ پیام دیا، کہ میرے پاس چلے آؤ، میں تجھ کو اپنے باپ کے پاس لے جاؤں گا، اور وہ تجھ کو اس سے بہت بڑا بنا دیں گے، جو تجھ کو دلی کا بادشاہ بنائے ہوئے ہے، ظفر خاں نے اس پیام کو حقارت سے ٹھکرا دیا، مغلوں نے دیکھا کہ وہ زندہ گرفتار نہیں ہو سکتا تو اس کو چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر دیا اس کے ساتھ اس کے لشکری بھی شہید ہوئے یہ مغلوں پر ظفر خاں اور اس کے لشکریوں کی بہادری کی ہیبت ایسی بیٹھی کہ رات آئی تو اس کی تاریکی میں دلی سے بیس کوس پیچھے ہٹ گئے اور ایک ایسی جگہ پر پڑاؤ ڈالا جہاں سے وہ اپنے علاقے کی طرف بآسانی مراجعت کر سکتے تھے، ظفر خاں کے حملہ کا خوف ان کے دلوں پر سوار رہا اور جب کبھی ان کا گھوڑا پانی نہیں پیتا، تو وہ کہتے کیا تجھ کو ظفر خاں دکھائی دیا، اس کے بعد اتنا بڑا مغل لشکر پھر کبھی دلی کی طرف نہیں آیا۔

(تاریخ فیروز شاہی، ۲۶۰ - ۲۶۱)

عصامی کا بیان کچھ مختلف ہے، وہ لکھتا ہے، کہ ظفر خاں نے اپنی تقریر کے بعد اپنے دو ہزار ہمراہیوں اور سرداروں، لشکریوں اور فولاد پوش ہاتھیوں سے مغلوں کو چاروں طرف گھیر کر ان پر اتنا زبردست حملہ کیا۔ کہ ان کے دس ہزار لشکریوں میں آدھے موت کے گھاٹ اتر گئے،

(ص ۲۵۵)

چوں خاں دید بار و سران سپاہ	بہ بستند عہدے دراں غولگاہ
بفرمود تا طبل جنگی زنند	نشانہ زمیں دو زیکسر کنند
ہماں مرد شیر افگن خان زاد	بقلب سپہ خود چو مرداں نشاد
دو عثماں کو بد ہر یکے اختیار	یکے در یمیں شد، یکے در یسار
علی شاہ رانہ با فوج پیل	مقدم شدہ اندراں فال دخیل
وزاں سوے ترغی در آمد شتاب	ابا سرفرازان ثابت رکاب

Marfat.com

سواران ہندی چو اندک بدید | یکے دائرہ گرد شاں برکشید
سپاہ ظفر خاں چو یک لالہ زار | بگرد ش مغل ہمچو پرچین خار
چو خاں دید ہر چار جانب مغل | چو پیراہن گرد بے در غل
زباران تیر آں سر سرکشاں | یکے رخنہ انداخت در قلب شاں
چو زاں قلب آماج داری گذشت | سوے میمنہ شاں سبک باز گشت
ازاں رفتن و آمدن خان یل | دو فوج مغل را فگندہ خلل
وزاں پس یکے لحظہ فرصت نداد | دگر بارہ در فوج ایشاں فتاد
مغل را صف میمنہ برگرفت | فلک ماندہ زاں چیرگی بر شگفت
ہماں ژندہ پیلاں پولاد پوش | برآوردہ ہر دم زمستی خروش
زہر حملہ کاورد آں شیر نر | سپاہ مغل شد بے بے سپر
بہر سو کہ برگرد شکست شاں | ہمی گشت دمی خست دمی بست شاں
مغل کشتہ شد بیمے از دہ ہزار | زشمشیر خان بلا عین شکار

ظفر خاں کے لشکری بھی کام آئے، اور اس کے ساتھ دو سو فوجی رہ گیے، تعداد کی یہ کمی دیکھ کر ترغی نے فائدہ اٹھایا، اور ایک بار ہمت کر کے اپنی فوج کو بڑھایا، ظفر خاں کو گھیر لیا، اور اس پر تیروں کی بارش شروع کر دی، شیر دل ظفر خاں نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا، اور ان مغلوں پر ٹوٹ پڑا، اور ان میں سے بہت سے لشکریوں کو اپنے تیروں کا نشانہ بنایا، یہاں تک کہ اس کے ترکش میں کوئی تیر باقی نہیں رہا، وہ جاں بحق ہوا، (ص ۲۵۷)

یکے حلقہ کردند بر گرد خاں | چو برگرد مہ فوج سیارگاں
وزاں پس زہر سو بر آشوفتند | بہ یکبارگی حملہ برکوفتند
در آمد سوار مغل ہر طرف | صف ہند شد چوں بمیداں ہدف
زمانے سپر ہا کشیدہ برد | ہر اسے بجوروند ازاں بارے ہو
بہ ترکش یکے تیر تا داشتند | مغل را چو بازیچہ پنداشتند
ذو سہ بار فوج مغل را بہ تیر | بردند پستر دراں دار و گیر
ہم آخر چو تیرے بہ ترکش نماند | گریزے بہ شیران سرکش نماند

گرفتند مریکدگر را کنار / دد آسا بجوشند بر روزگار
بگفتند تکبیر و بر کوفتند / مغل را بہ شمشیر سر کوفتند
ظفر خاں ہماں سرکش نامدار / پے تیغہا نہ دراں کارزار
ہم آخر یکے تیر جوشن شگاف / کہ بر جست از شست تقدیر صاف
ہماں تیر در سینۂ خاں رسید / زرہ دوخت سر سوے دیگر کشید
چو شد مست زخم آں سرافراز مرد / بغلطید از رخش گیتی نورد
بیفتاد بر خاک ازاں بادپاے / برآمد ز گیتی یکے ہاے ہاے
ز مرگش زمیں خاک بر سر فگند / فلک قرطۂ نیل در سر فگند

ظفر خاں کی شہادت سے فوج سراسیمہ ہوئی، تو فوجی سردار سلطان علاءالدین کے پاس جمع ہو گئے، اور انھوں نے اس سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ فوج حصار کے اندر چلی جائے۔ اور وہاں لشکر کو مستحکم کر کے دشمنوں سے لڑا جائے، لیکن سلطان نے ان کی بات نہ مانی اور اس نے کہا کہ ترک و تاز میں جو زمین قبضہ میں آئے، اس کو چھوڑ کر واپس جانا کسی طرح مناسب نہیں، جو کچھ ہونے کو تھا، ہو چکا ہم تو اسی جگہ رہیں گے، بانگ کوس اور خروش دل بلند کریں گے میری ایک ذات کو ایک لاکھ سپاہی سمجھو، اور اگر ایک رستم گیا ہے تو اس میدان کارزار میں مجھ کو دوسرا رستم تصور کرو، میں اپنی جگہ سے مطلق نہ ہٹوں گا، سلطان یہ کہہ کر اپنے سرداروں کی ہمت بڑھا رہا تھا، کہ مغلوں کی فوج سامنے سے آتی دکھائی دی، ہندوستانی فوج پھر سے ترتیب دی گئی۔ ان تمام کوائف کو عصامی اس طرح پیش کرتا ہے۔ (۲۵۸)

ز مرگ ظفر خان رستم نژاد / سپاہ ترا سر بسر دل فتاد
سپاہ مغل چیرہ شد باز گشت / بر آہنگ پیکار دمساز گشت
نہ بیند اگر مصلحت شہریار / زابد رود در پناہ حصار
دہد بعد ازیں جنگ در تختگاہ / کہ لشکر قوی دل نود در نباد
چو ایں قصہ بشنید شاہ از سراں / بگفتا کہ اے خام سر لشکراں

Marfat.com

شہاں را نشاید کہ در ترک و تاز   زمیں گرفتہ گذارند باز
اگر دی گردے کہ خود رائے بود   نہ فرمان بگشت و عجلت نمود
بہ کیفر رسانید شاں را قضا   ازیں قصہ بگذرد مضیٰ ما مضیٰ
کنوں ما و ایں جا و فوج مغل   دگر بانگ کوس و خروش دہل
سپاہم اگر سر بہ سستی نہد   مرا یارئ اندر دغا کم دہد
بیک تن منم صد ہزاراں سپاہ   مرا رستمے داں تو در حرب گاہ
گر آرد دمن زور ہر سو خطر   ازیں جا نہ جنبم بجز پیشتر

مغلوں کی فوج سے گھمسان کی لڑائی ہوئی، جو صبح سے شام تک جاری رہی، جب رات ہوئی، تو مغل ہندوستانی فوج سے ہیبت زدہ ہو کر چپکے سے بھاگ نکلے، ہندوستان کے بہادر خوش تھے، کہ اس ملک کے بوستاں پر جو باد خزاں آئی تھی، وہ جاتی رہی، اور جب کتے بھاگیں تو شیروں کو ان کا پیچھا نہ کرنا چاہیئے۔ تمام لشکر خدا کا شکر بجا لایا، اور جب فوج شہر کی طرف لوٹی تو ہر طرف سے خوشی اور خرمی کا اظہار ہو رہا تھا کہ اتنی بڑی فتح پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

چو شب شد ملاعین نگشتند باز   گرفتند در پیش راہے دراز
بنجر داند آہنگ اقلیم خویش   شبا شب برفتند دہ میل پیش
چو بشنید صفدار ہندوستاں   کہ باد خزاں رفت ازیں بوستاں
بدل گفت کاں قوم ناپاک دیں   سگانند ہنگام پیکار کیں
نرفتند شیران شرزہ شکار   بدنبال سگ خاصہ وقت فرار
دگر آنکہ شوم است دیدار شاں   نہ بیند خرامند رخسار شاں
فتوحے نہ بینم ازیں بیشتر   کہ ہرگز رخ شاں نہ بینم دگر
وزاں پس بے گفت شکر خدائے   سوے شہر خود شد عزیمت گرائے
بہ شہر آمد و کرد شادی بسے   زعشرت شگفتہ دل ہر کسے
ہمہ شہر زاں خرمی گشت شاد   کسے مردگاں را نمی کرد یاد

Marfat.com

ہندوستان کی محبت میں علاء الدین خلجی کے قابل تعریف اقدام

سنہ ۱۳۰۳ء میں ترغی پھر چالیس ہزار لشکریوں کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوا سلطان علاء الدین کی فوج اس وقت چتوڑ کی مہم سے بہت خستہ ہو کر واپس ہوئی تھی، اس کا ایک بڑا لشکر دار نگل گیا ہوا تھا، وہاں سے اچھے حال واپس نہیں آیا تھا، یکایک ترغی کی یورش کی خبر ملی، تو سلطان سراسیمہ نہیں ہوا، اس کے پاس جو بھی فوج تھی، اس کو لے کر سیری کے میدان میں خیمہ زن ہوا، ترغی دلی کے نواح میں پہنچ گیا تھا، علاء الدین نے اپنے دفاعی محاذ کو ہر طرح سے مضبوط بنایا، سیری کے پورب طرف جمنا تھی، پچھم جانب دلی کا پرانا حصار تھا۔ دکھن طرف گھنا جنگل تھا۔ اتر کی طرف ہی ایک انیارا استہ تھا، جس سے مغل فائدہ اٹھا سکتے تھے، چنانچہ اس طرف خندق کھودی گئی۔ اور اس کے گرد ایک حصار بنایا گیا۔ حصار میں دروازے کے لیے دلی کے لوگوں نے اپنے اپنے دروازے کے کواڑ دے دئے یوں مغلوں کا راستہ مسدود ہو گیا، خندق کی ہر النگ پر مسلح فوجی اور ہاتھی کھڑے کر دیے گئے، جس سے مغلوں کے اندر گھسنے کا موقع نہیں ملا، مگر ان دشمنوں کی وجہ سے ہر طرف کے راستے ایسے مسدود کر دیے گئے، کہ سیری میں نہ کسی طرف سے فوجی مدد پہنچ سکتی تھی، نہ ضرورت کے وقت رسد آسکتی تھی، دشمن آس پاس کے علاقے میں غارت گری کرتے رہتے۔ لیکن ان کو کسی طرح خندق پار کر کے شہر میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوئی جھڑپیں ہوتی رہیں، جس سے دشمن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا، شہر کے لوگ اس بلا کے دفع کے لیے برابر دعائیں مانگتے رہے اور جب دشمنوں کو کامیابی کی امید نہیں رہی تو دو مہینے کے بعد واپس چلے گئے، عصامی کا بیان ہے کہ وہ چالیس روز کے بعد گئے، وہ ان کی واپسی کا ذکر خوش ہو کر اس طرح کرتا ہے۔ (ص ۲۷۷)

گرفتہ مغل گرد دہلی قرار — چو پیرامن باغ پرچین حصار
شنیدم چہل روز آں ناگہاں — گزیں پیش شد گفتہ اوصاف شاں
بماندند پیرامن تخت گاہ — دگر روز راندند از انجا سپاہ
زدہلی چو فوج مغل دفع گشت — زبستاں ہوا سے خزانی بگشت

Marfat.com

یکے جشن کردند اصحاب شہر کہ حق حفظشاں کرد از تیغ قہر

اس بلا کے دفع ہونے کے بعد سلطان علاء الدین نے ملک کے دفاع کی جتنی تدبیریں ہوسکتی تھیں، ان کو عمل میں لانے کی کوشش کی، ملک کے اندر لشکر کشی اور حصار گیری بالکل ترک کر دی۔ دلّی کے پاس سیری میں ایک نیا دارالسلطنت بنایا اور یہاں لوگوں کو منتقل کر دیا، دلّی کے چاروں طرف حصار بنوایا، مغلوں کے آنے کے راستوں میں جو حصار پرانے ہو گئے تھے، ان کو از سر نو بنانے کا حکم دیا، وہاں تجربہ کار اور ہوشیار کوتوال متعین کیے، تاکہ وہ منجنیق اور عرادہ تیار کرائیں، اور ہنرمندوں کے ذریعہ اسلحہ بنوا کر ہر وقت تیار رکھیں، غلّہ اور علوفہ کا ذخیرہ جمع کریں، سامانہ اور دیوپال پور میں ایک فوجی اڈا بنوایا گیا، اور پھر جن جن راستوں سے مغل آتے تھے، وہاں آزمودہ کار اور پختہ کار فوجی امراء اور سردار مقرر کیے، ان تدبیروں کے ساتھ اس نے ایک جرار اور مستعد لشکر بھی ملک کی مدافعت کے لیے تیار کرنے کا مصمم ارادہ کیا، اس نے سوچا کہ لشکریوں کی تعداد اس وقت بڑھ سکتی ہے، جب ان کی تنخواہیں کم ہوں، تاکہ خزانہ زائد خرچ کا متحمل ہو سکے لیکن اس کے مشیروں نے مشورہ دیا، کہ جب لشکریوں کے ضروری اخراجات ان کی تنخواہوں سے نہ ہوں گے، تو وہ بددل رہیں گے، اور فوج مستحکم نہ ہو سکے گی، اس لیے انھوں نے یہ رائے دی کہ غلہ، کپڑا، گھوڑا، اور آلات سپہ گری بالکل ارزاں کر دیے جائیں، تاکہ تنخواہ کی کمی عام ارزانی سے پوری ہو جائے، سلطان کو یہ رائے پسند آگئی اور اس نے چیزوں کو ارزاں کرنے کے لیے قواعد و ضوابط بنائے جن میں سے کچھ یہ ہیں،

"غلہ کا نرخ حکومت کی طرف سے مقرر ہوگا، حکومت غلّہ کا ایک ذخیرہ جمع رکھے گی، اناج کی منڈیوں میں حکومت کے معتبر عہدے دار رہیں گے، تاکہ وہ نرخ کی نگرانی کرتے رہیں، بنجاروں کا ایک دفتر ہوگا، جو شحنہ کے ماتحت ہوگا، دوآبہ اور دہلی کے سو سو کوس تک رعایا سے اتنا خراج لیا جائے، کہ وہ دس من سے زیادہ غلّہ اپنے پاس نہ رکھ سکیں، غلّہ کھیتوں پر بنجاروں کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے، سلطان کو غلہ کے نرخ سے برابر مطلع رکھا جائے، امساک باراں میں غلّے کا

Marfat.com

بھی بلاضرورت کسی منڈی سے کوئی دشمن نہ لے۔"

ں طرح کپڑوں کی فروخت کے لیے بھی قاعدے مقرر کیے گئے، شہر کے اندر سرائے
ں سارے کپڑے منگوا لیے گئے، حکومت کی طرف سے ان کی قیمت مقرر ہوئی،
کے سوداگروں کے نام دیوان ریاست کے دفتر میں درج ہوتے۔ ان
یہ ملتا تھا، وہ باہر سے کپڑے خرید کر لاتے، اور مقررہ نرخ پر فروخت
، اگر کوئی ایک جیتل بھی زیادہ لیتا، تو اس کے کپڑے ضبط کر لیے جاتے،
ں اور جانور کی فروخت کے لیے بھی ضابطے مقرر ہوئے، سلطان علاءالدین
ں کی قیمت خود مقرر کرتا، اگر معلوم ہو جاتا، کہ بازار میں مقررہ نرخ
ں کوئی گھوڑا فروخت ہوا ہے، تو دلالوں پر عتاب ہوتا، ان کو سزا دی

اسی طرح ٹوپی، موزے، کنگھی، سوئی، شکر، سبزی، حلوائے صابونی،
، روئی، مچھلی، پان سپاری، ساگ پات، تیل، گڑ، اور نمک وغیرہ کی
مقرر ہوئیں۔

بازار کا حال جاننے کے لیے جاسوس مقرر ہوئے، جو سلطان کو بازار کے اصلی
ے مطلع کرتے رہتے، اگر نرخ میں فرق ہو جاتا، تو سوداگروں کو سزا دی
کمتر سزا یہ تھی کہ ان کے کان ناک کاٹ لیے جاتے، کم تولنے کی بھی ممانعت تھی،
ئی کم تولتا تو اس کے کولھے سے اتنا ہی گوشت کاٹ لیا جاتا، اور اس کی
وں کے سامنے پھینک دیا جاتا۔

ان ضابطوں سے تمام چیزیں سستی ہو گئیں، مثلاً غلہ میں گیہوں ساڑھے سات
کا ایک من، کپڑوں میں اعلیٰ کپڑا اٹنکہ میں تیس گز، پانچ جیتل میں دو سیر گھی،
سم کا گھوڑا ایک سو بیس ٹنکہ میں مل جاتا، اس وقت ایک ٹنکہ ایک تولہ
دی کا تھا، اور ہر ٹنکہ کے پچاس پیسے تانبے کے تھے جس کو جیتل کہا جاتا تھا
بیسر کا من تھا، اور ہر سیر چوبیس تولے کا۔

Marfat.com

ہندوستانی لشکر کی کامرانی

جب ساری چیزیں سستی کردی گئیں، تو لشکریوں کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر ہوئیں، ان کی زیادہ سے زیادہ تنخواہ دو سو چونتیس ٹنکے مقرر ہوئی، اس طرح چار لاکھ بہتر ہزار سوار فوج میں بھرتی کیے گئے، اس کے بعد جب مغل حملہ آور ہوتے، تو مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے، کہ وہ آسانی سے تہ تیغ کر دیے جاتے، ہزاروں کو ان کی گردنوں میں ڈوری ڈال کر دلی لایا جاتا، اور یہاں وہ موت کے گھاٹ اُتار دیے جاتے، ایک ایک لشکری دس دس مغلوں کی گردن میں ڈوری ڈال کر ان کو پکڑ لاتا، اور ایک ایک سوار سو سو مغل سواروں کو مار بھگاتا۔

(تاریخ فیروز شاہی ۳۰۲ - ۳۲۰)

مغل اپنی پسپائی کا بدلہ لینے کی فکر میں برابر لگے رہے، اس لیے ۱۳۰۵ میں ان کا ایک حملہ پھر ہوا، اس مرتبہ ترغی کے علاوہ ان کے فوجی سردار علی بیگ اور تمرتاق تھے، ان کے ساتھ چالیس پچاس ہزار کا لشکر تھا، چونکہ وہ دلی کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ کر سکے، انھوں نے دریائے جہلم کو عبور کر کے دوآبے کی طرف رخ کیا، امیر خسرو لکھتے ہیں، کہ ترغی کا دل لوہے کا تھا، پھر بھی وہ ہندوستانی فوجوں کی زد میں آگیا، اور ان کے ایک تیر سے ڈھیر ہو گیا۔

ترغی اگرچہ دل آہنیں داشت اما پیش سنداں شگافاں جہاد دل نتوانست نہاد، سہم پبلک زناں غزا در دل گذرانید و ہم از عقب غلہ کرد۔

(خزائن الفتوح : ۴۰)

علی بیگ اور تمرتاق غارت گری کرتے ہوئے آگے بڑھے، امیر خسرو نے لکھا ہے، کہ ان کو ہندوستان کی طاقت کا غلط اندازہ ہوا، اور وہ یہاں کی تلوار کو تیغ خطیب سمجھے، یہ تو وہ ملک ہے، جہاں اگر کوئی ایک ہزار سر لے کر آئے، تو ان میں سے ایک کو بھی بچا کر واپس نہ لے جا سکے،

اما علی بیگ و تمرتاق را چوں، ہیچ گاہ دریں ولایت گذرے نہ بود، تیغ محرابی مومناں را تیغ خطیب تصور کردند بارے کہ اگر کسے با ہزار سر در آید یک سرباز

Marfat.com

نبرد۔ (ص ۴۰)

وہ غارت گری کرتے ہوئے دوآب اور اودھ تک پہنچ گئے، سلطان علاءالدین خلجی نے ان کی سرکوبی کے لیے اپنے خاص امیر ملک مانک کو بھیجا، جو ایک ہندوستانی فوجی سردار تھا، اس کے ساتھ تیس ہزار سوار تھے، امروہہ کے پاس جنگ ہوئی، مغل پسپا ہوئے، امیر خسرو ان کی پسپائی کا ذکر بہت لطف و لذت کے ساتھ کرتے ہیں۔

ذکاءاللہ صاحب بھی اپنی تاریخ جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ امروہہ میں دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا، مغلوں کے کشتوں کے پشتے لگ گئے، علی بیگ و ترتاق کو ایک ہندو نے زندہ اسیر کیا، بادشاہ کی بارگاہ میں ان کو اور اسیروں کو اور بہت سے مغل قیدیوں کے گلے میں رسی ڈال کر اور ان کے تیس ہزار گھوڑے بھیج دیے، سلطان نے چبوترہ سبحانی پر دربار عام کیا، دو رویہ لشکر کو کھڑا کیا، اس قدر آدمیوں کا ہجوم ہوا، کہ ایک پانی کا آبخورہ بیس جیتل اور آدھے کو بکتا تھا۔ اس دربار میں علی بیگ و ترتاک (ترتاق) کو مغلوں سمیت بادشاہ کے تخت کے روبرو لائے، بادشاہ نے سب قیدیوں کو اپنے امراء میں برابر تقسیم کر دیا۔ (ص ۶۲)

عصامی نے ہندو فوجی سردار کا نام نانک لکھا ہے، اس کی نگرانی میں شمشیر ہندی سے جو زبردست لڑائی لڑی ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے عصامی نے نانک کی سپہ گری اور بہادری کی تعریف شیر مرد کہہ کے کی ہے، سلطان علاءالدین خلجی نے بھی اس کی کارگذاری کی داد دی، اور اس فتح کی خوشی میں شکر بجا لایا۔

(ص ۲۹۶-۲۹۷)

چو فتحے چنیں ہندیاں را دو دید	صف ہند شمشیر ہندی کشید
برانند جوئے ز خون مغل	براں جوئے ہم از کشتگاں گشت پل
علی بیگ و ترتاک آمد اسیر	کہ بودند ہر دو سپہ را امیر
سپاہ مغل جملہ شد بے سپر	گروہے سراں را بریدند سر
ہزارے دہے زندہ شد دستگیر	دگر جملہ شد کشتہ از تیغ و تیر

Marfat.com

شنیدم ز اسپان ملک تتار — فتادہ بدست سپہ سی ہزار
چو نانک دراں جنگ فیروز شد — ہمہ رایتش عالم افروز شد
بہ بستہ علی بیگ و تاتزک را — دوم روز آں نغز و فرخندہ جا
رواں کرد در حضرت شہریار — نہ تنہا کہ بالشکرے کامگار
چو بشنید آں خسرو کامراں — کہ فوجش ظفر یافت بر دشمناں
در آمد ہماں نانک نامور — بہ نزدیک درگاہ شہ باظفر
شنیدم کہ بر تخت زر بار عام — ز شادی بداد آں شہ شادکام
ستادند در بار اصحاب بار — شد آراستہ از یمین و یسار
در آمد ہماں نانک شیر مرد — ابا سرفرازان بختہ نبرد
ببوسید از دور شہ را بساط — چو شہ دید رویش، شد اندر نشاط
ہماں ہر دو سرلشکران مغل — بہ پیش شہ آورد با بند و غل
ہزار و دو سہ مرد افواج شاں — کہ بگرفت در وقت تاراج شاں
ہمہ غرق آہن ز سرتا بپاے — بیاورد با بند در بارجاے
دگر چند گردوں ز سر کردہ بار — کہ تنہاے شاں ریخت در کارزار
بسے خرگہ و اسپ و زین و لگام — فزوں نہ بسے از کنیز و غلام
کہ از بنگہ خصم گاہ شکست — بیامد یلان سپہ را بدست
کشیدہ یکایک دراں بارگاہ — بسے شکر ایزد ہمی گفت شاہ

۱۳۰۶ء میں مغلوں کا پھر ایک حملہ ہوا، اس مرتبہ ان کا فوجی سرد تھا، کبک دریائے راوی کی طرف بڑھا، اور سلطان علاء الدین نے ا مقابلے کے لیے ملک نائب کافور کو روانہ کیا، جس کے ساتھ ملک تغلق اور ر بھی تھے۔ ان کے ساتھ ایک لاکھ سوار کیے گئے، ان میں سے ہر ایک کو ایک تنخواہ فاضل دی گئی، فوجی سرداروں کو خلعت سے نوازا گیا، اور ان کی ہمت افزائی کی گئی، ہندوستانی لشکر بڑے جوش وخروش سے دشمن کے مقا بلے بڑھا، اور راوی کے کنارے دونوں میں مڈبھیڑ ہوئی، ہندوستان کی فوج میں کھڑی ہوئی تو عصامی کے قول کے مطابق بوستاں کی طرح کھلی ہوئی تھی، ہند

Marfat.com

نے بڑی دلیری دکھائی، مغل پسپا ہوئے، کبک زندہ گرفتار ہوا، اور بے شمار قیدی دہلی لائے گئے۔ عصامی نے ان بیرونی دشمنوں سے لڑائی اور ان کی پسپائی کا ذکر بہت ہی جوش و خروش کے ساتھ کیا ہے۔

ملک نائب بادشاہ کے حکم سے ایک لاکھ سوار جمع کرتا ہے۔

(ص ۳۱۱)

ملک نائب یل بفرمان شاہ — کمر بستہ در کار عرض سپاہ
شنیدم مہندس در آں روزگار — بدفتر در آورد یک لک سوار
ملک نائب آں تذکرہ پیش برد — سران سپہ را با خویش برد

سلطان لشکر اور لشکر کے سرداروں کو ایک سال کی تنخواہ خلعت اور دوسری نوازشوں سے ان کی ہمت افزائی کرتا ہے، (ص ۳۱۱)

پس آنگاہ آں خسرو نامور — بہ لشکر بفرمود یک سالہ زر
سران سپہ را فراواں نواخت — سر ہر یکے را بگردوں نواخت
چو تغلق، چو کافور مرہٹہ نژاد — چو عالم ملک واں سرافراز راد
دگر سرفرازان ہندو دیار — بہ جنگ آوری بر یکے نامدار
چو از مشہ ہمہ خلعتے یافتند — پے ساز پیکار بشتافتند
بسے داد دل نائب خویش را — بداں تا بود چیرہ دل در وغا

دوسرے روز فوج ملتان کی طرف بڑھی، عصامی نے لکھا ہے کہ یہ فوج ہندعلی (ذ) کے دامن میں پہنچ کر ملعون دشمنوں کے مقابل ہوئی، لیکن یہ لڑائی دراصل راوی کے کنارے ہوئی، اور جس طرح ہندوستانی سرداروں ملک نائب اور ملک تغلق وغیرہ کی نگرانی میں یہ معرکہ ہوا، اس کی تصویر عصامی نے بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ کھینچی ہے۔ (ص ۳۱۱، ۳۱۳)

دگر روز فرمودہ شاہ جہاں — کہ لشکر برانند سوے ملتاں
برانند ندشیران حملہ گرائے — ہمہ آہنی چنگ و پولاد خائے
ہمی راند لشکر بصد چیرگی — ہمی شد ہوا غیر از تیرگی
چو ہندعلی دامن اندر رسید — سیاہ ملاعین در آں حدر سید

Marfat.com

هما نجا بزد خیمه لشکر تمام — یکے هفته کرد آنجا مقام
ملک نائب یل بزرگهائے خویش — بر اندے ازانجا بهر روز بیش
ملک تغلق آں مرد با هوش و هنگ — که گرگے کهن بود در کار جنگ
شهش داد اقطاع دیبال پور — نبردش بدے کار پیکار سور
خطابش شده شحنهٔ بارگاه — همه سر بزرگ بود در هر سپاه
هر روز آں نائب کامراں — بگردی ازاں پرده گاهش رواں
بداں تا خبر هائے فوج مغل — رساند بداں نائب شاه کل
یکے روز تغلق بزک رانده بود — شب اندر میان مغل مانده بود
دوم روز ناگه به لشکر رسید — بگفتا سپاه مغل در رسید
ملک نائب سرفراز ایں خبر — چو بشنید از تغلق نامور
بگفتا نقیباں ندا در دهند — هژبراں همه زیں برابرش نهند
بگردد سپه سر بسر ساخته — کند ساز پیکار پرداخته
کسے را که نا ساخته بنگرند — بگیرند و جائے سیاست برند
سرش را جدائی دهند از تنش — بود خون آں مرد در گردنش
غرض چونکه افواج هندوستاں — شد از جنبش صبح چوں بوستاں
بر آمد ز هر سو خروشش دهل — یکے گرد خاست از سپاه مغل
جهاں گشته تاریک ازاں تیره گرد — خروشید چوں رعد هر جا که مرد
وزاں پس دو لشکر مقابل ستاد — ز هر سوئے نامرد را دل فتاد
دمے از دو سو کرد لشکر درنگ — نکرده کسے پیش دستی بجنگ
هم آخر ز فوج مغل هوے خاست — خروشے ز خرمهره بر سوے خاست
سپاه مغل پیش دستی نمود — شنیدم که فوج کبک بیش بود
بجنبید بر سبب هندوستاں — بافتاد بر قلب هندوستاں
بقلب اندروں نائب شاه بند — پے افشرده بد با صفے دل پسند
کبک چو بزد به یکبارگی — بپیچید نائب بناچارگی
بیاراں بگفت آں یل نامور — که بر رو بدارند یکدم سپر

Marfat.com

بتازند از پیش دشمن عناں | نترسند از حملۂ دشمناں
جواب حریفاں خود بے دریغ | دہند از زبان گہر ریز تیغ
مغل را ہمیں حملۂ اولیں | نگہداشت باید بہنگام کیں
چو نائب ز یاران خو گفت پیش | ہمی داد دل مر سواران خویش
بلے چوں سراں سر بہ سستی نہند | سر افسر خود بہ دشمن دہند
سپہ گر لبے چیرہ دستی کند | چو سر عز بود میل سستی کند

مغل کے سردار کبک نے ہندوستانی فوج پر بڑا زبردست حملہ کیا، لیکن ہندوستانی فوج نے بڑی پامردی سے اس یورش کو روکا، اور اپنی جگہ پر جمی رہی پھر بڑھ کر ایسا حملہ کیا کہ کبک کی فوج کے چھکے چھوٹ گیے، اور وہ خود اپنے گھوڑے سے گر کر زندہ گرفتار ہو گیا۔ جس کے بعد ہندوستانی سواروں نے مغلوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیے، ان میں سے جو بچے وہ فرار ہو گیے۔

(ص ۳۱۳ - ۳۱۴)

شنیدم کبک قصد بسیار کرد | بصد چیرگی حملہ ہر بار کرد
کہ نوعے صف قلب را بشکند | پس آہنگ افواج دیگر کند
ملک نائب پیل چو سر لشکراں | بجنبید زاں حملہ ہائے گراں
کبک دید کز قلب ہندوستاں | نہ پیچید از جائے خود کس عناں
عناں داد سمت افواج خویش | بانداختش نائب شہ ز پیش
چو مرداں بدنبال او در نشست | بہ شمشیر فوج کبک را شکست
بلو کید اسپ کبک ناگہاں | رسید از پس آں سرفراز جہاں
بدستش کبک زندہ آمد اسیر | ز فوج مغل خاست شور نفیر
سپاہ مغل را نوائے نماند | چو سر رفت تن را بقائے نماند
شکستہ نہادند سر در گریز | بر آمد ز بنگاہ شاں رستخیز
سواران ہندی درو تاختند | بے گردناں را سر انداختند
مغل گشت عاجز دراں رستخیز | شدہ ہر یک از دیدہ خوناب ریز

Marfat.com

ہندوستانی فوج کی کامیابی پر خوشی

ہندوستانی فوج فاتح اور کامراں ہوکر بڑی شان سے اپنے دارالسلطنت کو واپس ہوئی، اس کے ساتھ قیدیوں کی تعداد کثیر بھی تھی، اس فاتحانہ واپسی پر شہر اور سارے ملک میں بڑی خوشی منائی گئی، ہر طرف نغمہ و سرود بھی گونج، سلطان نے فوجی سرداروں کو خلعت عطا کیے،

(ص ۳۱۴)

غرض چو ملک نائب بخت مند — سپاہ مغل را شکستے فگند
بسے را بکشت و بسے را شکست — سوے تختگاہ شد رواں تا گرفت
خرد شاں در آمد چو در تختگاہ — خراماں بر آمد بر ایوان شاہ
چو بنشید خسرو رواں بار داد — در لطف بر نائب خود کشاد
بصد خرمی نائب خاص شاہ — خراماں در آمد دراں بارگاہ
ہم از دور بنہاد سر بر زمیں — فگفت از رخش شاہ چوں یاسمیں
اسیران فوج مغل با کیک — بیاورد در پیش شہ یک بہ یک
مرصع یکے خلعتش داد شاہ — نہ تنہا کہ با سرکشان سپاہ
ہمہ شہر و کشور شد اندر طرب — بدل شد بہ بانگ مغنی شغب

عصامی کیک کے حملہ کو مغلوں کا آخری حملہ بتاتا ہے، لیکن امیر خسرو نے خزائن الفتوح میں لکھا ہے، کہ مغلوں کا ایک اور حملہ اقبال اور نائی بوکی سرداری میں ہوا۔ امیر خسرو مزے لے لے کر لکھتے ہیں، کہ ان پر ہندوستانی فوج حملہ آور ہوئی، تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے ان پر ابر باراں چھا گیا ہے، اور دریائے جیحوں اُبل پڑا ہے، تیروں کی بارش سے وہ فرار ہو گیے، ان کو خبر نہ رہی، کہ پانوں کدھر ہے اور سر کدھر، ہندوستانی فوج نے پیچھا کیا، اور اس طرح ان کو تہ تیغ کیا، کہ معلوم ہوتا تھا، کہ فرشتے دوزخ کے لیے ایندھن تیار کر رہے ہیں،

(خزائن الفتوح: ۴۵ - ۴۷)

یہ حملہ کبک کے ساتھ ہی ہوا، لیکن کبک کی لڑائی راوی کے کنارے ہوئی،

Marfat.com

اقبال اور تائی بو ناگور کی طرف بڑھ گیے، کبک کے حملہ کو پسپا کرنے کے بعد ملک تغلق اور ملک نائب نے ان کی طرف رُخ کیا، اور ان کی سرکوبی اچھی طرح کی اس فتح کا ذکر امیر خسرو نے اپنی مثنوی دولرانی خضرخاں میں بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ مغل ہندوستان میں دوزخ کے ایک سموم کی طرح آئے، لیکن سلطان کی آتش مزاجی نے ان کے لوہے کو موم بنا دیا۔ (ص ۶۲ - ۶۳)

برآمد فتح از عون الٰہی — کہ فارغ شد مغل از کینہ خواہی
ازاں پس سیل جیحوں را شد زار — کہ برباید زہندوستاں یکے مور
عجب تر بیں ز اقبال علائی — کہ باد اجاوداں در پادشائی
برانساں تاخت از دوزخ سموے — کہ آہن را از آتش ساخت موے
ہمہ بردند و بو یحییٰ کہ جاں برد — زنگ جان شاں او نیز می مرد
اگرچہ آں خار آفت بود بسیار — ہمہ خاکستر دوزخ شد آں خار
جہاں نبشاند بر سر فتنہ را جوش — کہ کس بانگ سگے نشنید در گوش

ضیاء الدین برنی نے ان بیرونی دشمنوں کے استیصال پر اپنی خوشی کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

مغلوں پر ہندوستان کے مسلمانوں کے لشکر کا ایسا خوف اور ہراس طاری ہوا، کہ ہندوستان کی طرف آنے کی ہوس ان کے دل سے ان کے دلوں سے نکل گئی، اور قطب الدین خلجی کے عہد تک وہ اپنی زبان پر ہندوستان کا نام تک نہ لاتے، اور نہ اس کی سرحد کی طرف آتے، بلکہ اسلامی لشکر کے خوف سے ہندوستان آنے کی ہوس خواب میں بھی نہ لاتے، اور خواب میں بھی ان کو اسلامی لشکر کی تلوار اپنے سروں پر چلتی دکھائی دیتی، دہلی اور سارے ملک سے مغلوں کی تشویش جاتی رہی، اور ہر جگہ امن و امان قائم ہوگیا، رعایا اس طرف جہاں مغل آیا کرتے تھے زراعت اور کھیتی میں لگ گئی، سلطان تغلق شاہ کی شہرت جو اوس زمانے میں غازی ملک کہلاتا تھا، ہندوستان سے باہر خراسان وغیرہ تک جا پہنچی، قطب الدین خلجی کے عہد تک اس کے پاس دیپال پور اور لاہور کا علاقہ رہا وہ مغلوں کو رد کے رہا، اور گویا شیر خاں

Marfat.com

کا قائم مقام ہوا، وہ ہر سال جاڑے کے موسم میں اپنا لشکر لے کر دیبال پور سے باہر آتا، اور وہاں چراغ لے کر مغلوں کو ڈھونڈتا، مغلوں کی مجال نہ ہوتی، کہ سرحد پار کر کے یہاں آتے، مغلوں کا سارا خوف سب کے دلوں سے جاتا رہا، اور کسی کی زبان پر مغل کا نام نہ ہوتا، سلطان علاء الدین نے مغلوں کے راستوں کو مسدود کر دیا، اور اسباب معاش کی ارزانی کی وجہ سے لشکر بھی خوب فراہم ہو گیا،

(فیروز شاہی ۳۲۲ - ۳۲۳)

امیر خسرو محبان وطن کا شہزادہ

امیر خسرو دنیا کے ان ارباب کمال میں تھے، جن کو عبقری کہا جاتا ہے۔ قدرت کاملہ نے ان کو عبقریت کے تمام لوازم و اوصاف سے نوازا، وہ ایک اچھے فرزند، ایک اچھے باپ، اور ایک اچھے انسان تھے، شاہی دربار کے ایک بہت ہی محبوب ہم جلیس اور ہم ندیم رہے، ایک عظیم قصیدہ گو، ایک عظیم مثنوی نگار، ایک عظیم غزل گو، ایک عظیم نثر نگار ایک عظیم صوفی، اور ایک عظیم ماہر فن موسیقی تھے، جب ان کے والد بزرگوار سیف الدین ایک لڑائی میں جان بحق ہوئے، تو ان کی موت کو شہادت سے تعبیر کیا۔ اور اپنے رنج و غم کا اظہار یہ لکھ کر کیا،

سیف از سرم برفت و دل من دو نیم ماند
در پائے من رواں شد و در دم یتیم ماند[1]

اپنی ماں کا جب ذکر کرتے ہیں، تو "زیر قدم مادر بہشتی شدم" لکھتے ہیں[2]۔
ان کے ایک بیٹے محمد کی وفات ان کی زندگی میں ہو گئی تھی، اس کی یاد میں ایک بہت ہی پر درد مرثیہ لکھا، جس کا پہلا شعر یہ ہے،

یارب این شب چہ شب آمد کہ دل من گم شد چشم تاریک مرا دیدۂ روشن گم شد[3]

---

[1] غرۃ الکمال دیباچہ قلمی نسخہ کتب خانۂ دار المصنفین [2] ایضاً [3] وسط الحیوٰۃ علی گڑھ ایڈیشن، ص ۷۔

Marfat.com

انسان کی حیثیت سے ان کا مسلک یہ تھا، کہ ہر کس و ناکس سے میٹھی زبان سے پیش آئیں، کہتے ہیں۔

خسروا اگر انگبیں می خواہی از شکر لباں
اول اندر کام شیریں کن زبان خویش را[1]

اپنی زبان کی شیرینی کی وجہ سے اپنے معاصر سلاطین کے دربار کے یوسف بنے رہے، سلاطین خواہ مذہبی، سنگدل، درشت مزاج یا رنگین طبع رہے سب ان کو اپنا ندیم خاص بنانے میں مسرت محسوس کر کے اپنی زبان حال سے کہتے:

یوسف عہدی اگر خسرو بود قیمت گرت
در دو ہم ملک دو عالم رائیگاں لستانمت[2]

جب قصیدہ نگاری میں طبع آزمائی کرنے لگے، تو انوری، خاقانی اور کمال اصفہانی کو یہ کہہ کر للکارا،

ناکشد گردوں بہ چشم انوری
خاک من کحل سپاہانی شده است[3]

خاقانی ار ز خاک بر آید بہ صد زباں
انصاف ایں قصیدۂ غرّہ بر آورد[4]

مثنوی کہنے پر آئے، تو قران السعدین میں لکھتے ہیں،

اوج معانی نہ بمقدار طبع
بلکہ گذشتہ ز سماوات سبع[5]

اپنی مثنوی مجنوں لیلیٰ میں کہتے ہیں،

زندہ است بمعنی اوستادم
رہ نیست بش حیات دادم[6]

مطلع الانوار میں یہ کبھی کہہ گئے ہیں،

کوکبۂ خسروم شد بلند
زلزلہ در گور نظامی افگند[7]

اور جب اپنی غزلوں کی نغمہ سرائیوں اور زمزمہ سنجیوں سے لوگوں کو محظوظ کرنے لگے، تو بجا طور پر یہ دعویٰ کیا،

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت
شیرہ زاں خم خانۂ مستی کہ در شیراز بود[8]

اور جب ہندی شاعری کا شوق پیدا ہوا، تو معلوم نہیں کتنے ہندی گیت، دوہے، معمے، مخمس، چوپائیاں اور پہیلیاں لکھ کر فخر کے ساتھ یہ آواز بلند کی،

---

[1] دیوان امیر خسرو دہلوی مرتبہ ڈاکٹر انوار الحسن، ص ۵۹ [2] ایضاً، ص ۴۹۱ [3] نزم کو ڈرا م
ص ۲۰۶ [4] ایضاً [5] قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن، ص ۵۵ [6] مجنوں لیلیٰ مرتبہ مکس
ص ۱۰۶، [8] شعر العجم ج ۲، ص ۱۴۵۔

چو من طوطی ہندم راست پرسی زمن ہندوی پرس تا نغز گویم[1]

اور جب نثر لکھنے پر آمادہ ہوئے تو اعجاز خسروی کی پانچ جلدوں میں ایک ہزار ایک سو ۱۱۰۹ اناسی صفحے لکھ کر اپنی قوت تحریر کی صاحبقرانی دکھادی، اور جب تصوف کی راہ پر گامزن ہوئے تو جس عشق مجازی کا راگ اپنی غزلوں میں الاپنا شروع کیا تھا وہ عشق الٰہی سے بدل گیا جسمیں ذرہ ذرہ ایسی سوزش پیدا ہوئی کہ ان کے مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کہا کرتے تھے ــــ کہ حشر کے روز مجھ کو امید ہے کہ اس ترک بچہ کے سوز سینہ کی وجہ سے بخشا جاؤں گا[2] اور بقول مولانا شبلی امیر کا ہر شعر جو بجلیاں گراتا ہے، وہ اسی وادی ایمن کی شرر باریاں[3] ہیں اور جب فن موسیقی کی تحصیل میں مشغول ہوئے تو بقول محمد حسین آزاد ان کی طبیعت ایک بین بن گئی تھی، جو بن بجائے پڑی بجتی تھی[4] پنڈت جواہر لعل نہرو لکھتے ہیں، کہ انھوں نے عام بول چال کی ہندی میں جو گیت لکھے، وہ نہ صرف ان کی زندگی میں مقبول ہوئے، بلکہ ایسی مثال نہیں ہے کہ جو گیت چھ سو برس پہلے لکھے گئے وہ اب تک مقبول ہیں، اور وہ کسی ترمیم کے بغیر اب تک عوام میں گائے جاتے ہیں[5]،

ان تمام محاسن کے ساتھ ان کا نمایاں وصف یہ بھی رہا کہ جس طرح ان کو اپنے والدین سے محبت رہی یا جس طرح اپنے شاہی آقاؤں سے والہانہ لگاؤ رہا، یا جس طرح ان کو اپنے فن شاعری سے وارفتگی رہی، یا جس طرح ان کو اپنے مرشد سے عشق رہا، اسی طرح ان کو اپنے وطن اور اس کی ہر چیز سے شیفتگی، سرشاری اور سرمستی رہی،

دہلی کے فراق سے بے چینی

ان کی پیدائش پٹیالی ضلع ایٹہ (یوپی) میں ۱۲۵۳ھ میں ہوئی، لیکن ان کی نشو و نما دہلی میں ان کے نانا عماد الملک کے یہاں ہوئی، جو سلطان التمش کے عہد سے بلبنی دور تک عرض ممالک کے عہدے پر فائز تھے، نانا کی وفات کے بعد پہلے سلطان

---

[1] دیباچہ غرۃ الکمال قلمی نسخہ دار المصنفین [2] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی، ص ۲۳۹ [3] شعر العجم ج ۲ ص ۱۲۹ [4] آب حیات، ص ۶۸ [5] ڈسکوری آف انڈیا، ص ۵۸-۲۵۷۔

Marfat.com

غیاث الدین بلبن کے بھتیجے کشلی خاں کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے پھر بلبن کے لڑکے شہزادہ بغرا کے یہاں سامانہ چلے گئے، وہ ۱۲۸۰ء میں اپنے باپ کے ساتھ لکھنوتی گیا، تو اس کی معیت میں خسرو بھی تھے، لکھنوتی پہنچے تو دہلی کو یاد کر کے تڑپنے لگے، ان کے دوستوں میں اس زمانہ کے مشہور شاعر شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر نے ان کی ہر قسم کی دلجوئی کی، لیکن وہ وہاں نہ رکے، اور جب سلطان غیاث الدین بلبن کے ساتھ دہلی واپس ہوئے۔ تو اپنے دیوان غرۃ الکمال پوشتہ ۱۲۵۳ء، کے دیباچہ میں لکھتے ہیں، کہ وہ لکھنوتی سے نکلے تو ان کو معلوم ہوا کہ گویا حضرت یوسفؑ چاہ زندان سے نکل آئے ہیں، جب وہ دہلی پہنچے تو ان کو محسوس ہوا کہ حضرت یوسفؑ مصر پہنچ گئے ہیں۔ یہیں سے ان کی وطنی محبت بیدار ہوئی، جو آگے برابر بڑھتی گئی۔

لکھنوتی سے واپسی کے بعد سلطان غیاث الدین کے بڑے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کے ندیم خاص ہو کر اس کے ساتھ ملتان چلے گئے، ان کے ساتھ ان کے محبوب دوست امیر حسن دہلوی بھی تھے، شہزادہ محمد سلطان کی صحبت میں ان کے شاعرانہ ذوق کی تشنگی بجھتی رہی، وہ ان کو اپنی عنایتوں سے نوازتا رہا۔ لیکن ان کو دہلی کی یاد برابر ستاتی رہی، اس کو وہ قبۃ الاسلام کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس کی سربفلک عمارتوں، محل سراؤں، تالابوں، مرغزاروں، باغوں کی خوشبوؤں اور یہاں کے حسینوں اور محبوباؤں کو یاد کر کے ملتان میں بے چین ہو جاتے، ملتان سے دہلی سال میں ایک بار آتے۔ اور جب یہاں سے رخصت ہوتے، تو دہلی چھوڑتے وقت ان کو انتہائی شاق گذرتا[1]۔

بیرونی حملے پر اظہار تشویش

ملتان ہی کے قیام کے زمانے میں چنگیز خانیوں نے ہندوستان پر حملہ کیا، اس موقع پر خسرو کی وطنی محبت میں وسعت پیدا ہوتی نظر آتی ہے، دہلی کے بجائے اب

---

[1] دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو دہلوی از وحید مرزا، ص ۵۱۔

Marfat.com

پورے ہندوستان کے جاں نثار فرزندبن کران بیرونی حملہ آوروں کے خلاف ان ہی جذبات کا اظہار کرتے ہیں، جو ایک محب وطن کو کرنا چاہیے، ہندوستان پر چنگیز خانیوں کے حملے کو آسمانی بلا اور سیل فتنہ قرار دیتے ہیں۔

واقعہ است ایں بلا کز آسماں آمد پدید　　آفت است ایں یا قیامت کز جہاں آمد پدید

راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ زا
رخنہ کا مسال در ہندوستان آمد پدید[1]

ہندوستانی فوج کی نبرد آزمائی پر اظہارِ مسرّت

شروع میں ہندوستان کی فوج نے ان بیرونی دشمنوں کو پسپا کیا، تو بہت خوش ہوئے لکھتے ہیں کہ :

ہندوستانی سواروں کا دستہ باہر نکل کر ان دشمنوں کے خلاف کوہ قاف بن کر کھڑا ہو گیا۔

رخش بیروں راند بر عزم مصاف　　راست کردہ لشکرے چوں کوہ قاف
قاف تا قاف از الف ہائے علم　　کرد طغرائے شہنشاہی رقم[2]

فخر کے ساتھ لکھتے ہیں، کہ ان ہندوستانی سواروں کی تیزی اور حرکت سے شیر کے جسم پر بھی کرزہ طاری ہو گیا۔

جنبش تیزی سواران دلیر　　لرزہ می افگند در اندام شیر[3]

ہندوستان کی فوج کی تلواروں کو کافر سوز کہہ کر خوش ہوتے ہیں،

ہندوستان را کے رسد از لشکر کافر زیاں　　از تیغ کافر سوز ما ہست آب اندر میاں[4]

تاتاریوں کے حملے روکنے کے لیے ہندو مسلمان جس طرح ایک ہو گئے اس پر اپنی خوشی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

---

[1] وسط الحیوٰۃ علی گڑھ ایڈیشن، ص ۱۶۱۔
[2] [3] ایضاً ص ۱۰۵۔
[4] وسط الحیوٰۃ، ص ۷۰۔

Marfat.com

برون شد دوئی از سر ترک وہند
کہ ہندوستاں یا خراساں یکے شد[۵۱]

تاتاریوں نے پہلے حدود ملتان پر حملہ کیا، لیکن وہ بُری طرح پسپا ہو کر کرمان کی طرف بھاگے۔ تو لکھتے ہیں، کہ وہ الو کی منحوس صورت کے ساتھ کلنگوں کی طرح صف آرا ہوئے، مگر بھاگے تو ریزہ ریزہ ہو کر رہ گئے''

گرچہ دریں سالے مغل با بر، لوم د رزے شوم
صف کشیدہ چوں کلنگاں از خراساں می رسد

لیک در وقت گریز از تیر کشور گیر شاہ
ریزہ ریزہ می شود انگہ بہ کرمان می رسد[۵۲]

ہندوستان کی طرف سے شہزادہ محمد سلطان نے ان تاتاریوں کو پہلے جس طرح پسپا کیا اس سے خوش ہو کر لکھتے ہیں، کہ شہزادہ نے اپنی تلوار سے مور و ملخ کی جیسی چنگیز خانی فوج پر جب حملہ کیا، تو وہ نہ صرف فرار ہوئے بلکہ بردار چیونٹیوں کی طرح ہلاک ہو گیے۔

دست او شمشیر بر اورنگ چنگیز خاں زند
چوں بہ عزم رزم سوے لشکراں کافر شود

گر بہند ایشاں از لشکر ہاے چوں مور و ملخ
باک نبود مور را در وقت مردن پر شود[۵۳]

ہندوستان کی فوج ان حملہ آوروں کے خلاف جس بہادری اور پامردی سے لڑی اس کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں، کہ ان کے خنجروں نے بہادروں کے ناف کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ان کے گرزوں نے پہلوانوں کو پسپا کر کے رکھ دیا، وہ شیر دل ہر طرف بڑھے، اور کشتوں کا ڈھیر لگا دیا۔ زمین سے خون کا دریا اُبلنے لگا، دنیا سے روشنی جاتی رہی، مغلوں کی طرف سے آہ و زاری بلند ہونے لگی، اور قیامت

---

۵۱ وسط الحیوٰۃ، ص ۶۴ ۵۲ وسط الحیوٰۃ، ص ۶۱۔
۵۳ وسط الحیوٰۃ علی گڑھ ایڈیشن، ص ۱۲۔

Marfat.com

کا سماں بندھ گیا۔ (وسط الحیوٰۃ ص ۱۰۸)

از ترنگ خنجر پہلو شگاف | پارہ می شد مرد را پہلوئے ناف
نہ ز طراق گرزہ پولاد دست | پہلوے ہر پہلوانے می شکست
کشتہ می شد چوں ز شیری آمدے | ہشت پہلوئے ز ہر شش پہلوے
سرکہ برید تیغ کینہ جو | مرگ برآب رواں می باخت گو
بر زمیں از خوں شدہ دریا پدید | روشنی گشتہ ز عالم نا پدید
از مغل ہر سو فغاں برداشتہ | رستخیز از جہاں برخاستہ

ہندوستان کی فوج کی پسپائی پر اظہارِ غم

مگر ایک ایسا موقع بھی آیا جب ہندوستان کی فوج ان چنگیز خانی وحشیوں سے پسپا ہو گئی، شہزادہ محمد سلطان اس تصادم میں شہید ہوا اس سے متاثر ہو کر ایک بہت ہی پر درد مرثیہ کہا جو سحر حلال کا درجہ رکھتا ہے، اس پسپائی پر خود بھی خون کے آنسو بہائے اور جس طرح ہندوستان کے لوگ روئے، ان کی بھی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی دو چار اشعار ملاحظہ ہوں۔

مہر و مہ بر روئے آں فرخ لقا بگریستند
روز و شب ہر سال آں اندک بقا بگریستند

آسمانہا با ہزاراں دیدہ بر اہل زمیں
ہمچو باران بہاری بر گیا بگریستند

خلق ملتان مرد و زن گریہ کناں و موکناں
کو بکوی و سو بسوی و جا بجا بگریستند[1]

ملک اور تاج و تخت کے دشمنوں سے اظہارِ نفرت

بیرونی حملہ آوروں سے شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے، خسرو میں بھی یہ

---

[1] وسط الحیوٰۃ ص ۱۶۶

Marfat.com

نفرت چنگیز خانیوں کے خلاف پیدا ہوئی، ان کی بہت ہی بُری تصویر یہ لکھ کر کھینچی ہے کہ ان کا سر گھٹا ہوا ہوتا، جس پر بالوں کے پر ہوتے، ان کا سر انڈے کی طرح دکھائی دیتا، ان کا چہرہ چوڑا چکلا ڈھال کی طرح معلوم ہوتا، آنکھیں ماتھے میں گھسی ہوئی ہوتیں، ناک چپٹی ہوتی، جس سے ریزش برابر جاری رہتی اور یہ پانی کے مینڈک کی طرح دکھائی دیتیں، وہ چوہے کھاتے۔ کتے کی طرح کھانے کی چیزوں کی طرف دوڑتے، میلے کچیلے بدبودار ہوتے، کوئی اون کے پاس بیٹھ جاتا، تو اس کو قے ہو جاتی وغیرہ وغیرہ۔

اپنی مرنجان مرنج طبیعت اور انسان دوستی کے باوجود وہ ان لوگوں کا ذکر بہت ہی نفرت سے کرتے ہیں، جو ملک یا تاج و تخت کے دشمن ہوتے، مثلاً سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں بنگال میں طغرل نے بغاوت کی، تو اس کے بے خسرو نے بوم، شوم، سودائی، بے دولت اور نامبارک لکھ کر اپنی نفرت کا اظہار کیا ہے اور اس کی پسپائی پہ خوش ہوئے[1]۔

اسی طرح ہندوستان کے اندر جو راجا شاہی تخت و تاج کے مخالف ہوئے ان کے لیے بھی سخت سے سخت الفاظ استعمال کیے، جہائین، گجرات، سمانہ، اور ورنگل کے راجاؤں سے سلاطین دہلی کی جنگ ہوئی تو ان کے خلاف ایسے ایسے ناخوشگوار الفاظ استعمال کیے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد آج کل گرانی ہوتی ہے لیکن جب یہی فریق تخت و تاج کے وفادار ہو جاتے تو پھر اون کی اور ان کے ہم مذہبوں کی مدح میں ان کا قلم طرب انگیز ہو جاتا، مثلاً ۱۳۱۲ء میں سلطان علاء الدین خلجی نے ملک کافور کی نگرانی میں دھور سمندر میں ایک فوج بھیجی، تو دیوگیر کے راجہ رائے رام دیو نے شاہی لشکر کی ہر قسم کی مدد کی، امیر خسرو نے اس کی تعریف میں اصیل و اصیل زادہ لکھ کر کی ہے، ان کے بیان کے مطابق جب شاہی لشکر دھور سمندر جاتے وقت دیوگیر سے گذرا، تو رام دیو نے پورے اخلاص سے شہر کو فردوس کی طرح آراستہ کیا، اور حکم دیا، کہ لشکر کی ضرورت کی تمام چیزیں بازار میں موجود رہیں، اگر شاہی لشکر کے پہلوانوں کو اپنے تیروں کے لیے سیمرغ کے پروں کی ضرورت ہو، تو بھی فراہم کیے جائیں، دیوگیر کا بازار بھی ارم کی طرح سجایا

---

[1] ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں، ص ۸۔

Marfat.com

گیا، جب شاہی لشکر کے سوار اس میں سے گذرے تو ان کو معلوم ہو رہا تھا، کہ بہشت شداد میں سے گذر رہے ہیں، بازار کا ہر حصہ نئے انداز سے آراستہ کیا گیا تھا، صراف سونے چاندی کے سکے لیے بیٹھے تھے۔ بزازوں نے ہندوستان اور خراسان کے عمدہ کپڑوں کی دکانیں لگا رکھی تھیں، پھلوں کا انبار لگا ہوا تھا، ان میں سے بعض تو انار اور آم سے زیادہ شیریں اور سبز تھے۔ لشکریوں کے لیے اون، چمڑے، پیتل اور لوہے کی ساری چیزیں رکھی ہوئی تھیں، جو بھی چاہے مناسب قیمت پر خریدے، عدل و انصاف ایسا تھا کہ

نہ ترکے کرد بر ہندو جفائے
نہ ہندو را مخالف بود رائے[1]

دہلی کی جدائی پر اظہارِ غم

امیر خسرو اپنے مربی شہزادہ محمد سلطان کی شہادت کے بعد ملتان سے دہلی آئے، تو بلبنی دربار کے ایک ممتاز امیر حاتم خاں جہاں کے ندیم ہوگیے، وہ ان کو شاہی لشکر کے ساتھ اودھ لے گیا تو دہلی چھوڑتے وقت وہ بہت روئے، اور راستہ بھر خون کے آنسو بہاتے رہے۔

برعزم سفر عناں کشادم خونابہ ز دیدگاں کشادم
با لشکر شاہ کوچ بر کوچ در گریہ ہمی شدم بہر کوچ

اودھ کی تعریف لیکن دہلی کے لیے بے چینی

اودھ یعنی اجودھیا میں وہ دو سال رہے یہاں ان کو ہر قسم کی راحت میسر تھی، حاتم خاں ان کو مال و دولت سے نوازتا رہا، ان کے اصلی وطن پٹیالی سے اودھ قریب تھا، اس لیے اجودھیا کی ہر چیز ان کو بھلی معلوم ہوئی، وہ ایک خط میں بہت ہی طرب انگیز طریقہ سے لکھتے ہیں۔ کہ یہ سرزمین سبزہ زار، مرغ زار،

---

[1] خزائن الفتوح علی گڑھ ایڈیشن، ص ۱۲۵ [2] دیباچہ قران السعدین، ص ۱۰۔

Marfat.com

انگور، انار، سنترے، کیلے، مونسری، چمپا، جوہی، کیوڑا، صندل، عود، عنبر، مشک اور کافور سے بھری ہوئی ہے۔ یہاں کے لوگ بھی ان کو خوش مزاج خوش اطوار، خوش کردار اور فیاض معلوم ہوئے، لیکن ان کا دل دہلی کے لیے تڑپتا رہا، دہلی سے دوری اور وہاں کے دوستوں کی جدائی سے ان پر جو گذری تھی اس کا اظہار اس طرح کرتے ہیں :

دل سوختہ چوں چراغ گشتہ — صد جائے درو نہ داغ گشتہ
دردے نہ ہزار جاں سوز — آہے نہ ہزار تیر دل دوز
دل رفتہ و تن نحیاک ماندہ — جاں بر شرف ہلاک ماندہ

جب ان کو وہاں سے دہلی جانے کی اجازت ملی لکھتے ہیں :

ہمہ تن شوق بن کر دہلی کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ایک تیز پیکان کی طرح راستہ طے کیا، بلکہ تیر کی طرح اُڑتے نظر آئے۔ ایک مہینہ کے سفر میں گھوڑے کی لگام کو برابر پکڑے رہے، ہلال عید کی طرح دہلی مسرور اور شاداں پہنچے تو چمن کے گلاب کی طرح ہنس رہے تھے، دوستوں کو دیکھ کر ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچی، ان کے دیدار کا جام پی کر سیراب ہوئے، ان کو ایسا معلوم ہوا کہ خزاں دیدہ پرندہ اپنے باغ میں پہنچ گیا، ایک پیاسا آب حیات کے چشمہ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا ہے۔ اور وہ مرکر پھر زندہ ہو گیے ہیں، مہربان ماں کے قدموں سے آنکھیں ملیں، جدائی سے خستہ ماں نے بھی اشکبار آنکھوں سے اس کو دیکھا، ساتھ اپنے پہلو سے لگایا۔ اس وطنی محبت کی کیفیت ذرہ ان کے اپنے الفاظ میں بھی سُنیے :

قطع کناں راہ چوں پیکان تیز — بلک چو تیر آمدہ اندر گریز
یک مہ کامل بہ کشیدم عناں — راہ چنیں بود و کشش آں چناں
ہم چو مہ عید خوش و شاد بہر — در مہ ذی القعدہ رسیدم بہ شہر
خندہ زناں ہمچو گل بوستاں — چشم کشادم برخ دوستاں
یافتم از لذت دیدار کام — وز مے مقصود شدم سیر جام

لہ دیباچہ مثنوی قران السعدین، ص ۱۱۔

Marfat.com

مرغ خزاں دیدہ بہ بستاں رسید　　تشنہ بسر چشمۂ حیواں رسید
مردہ دل از حال پریشاں خویش　　زندہ شد از دیدن خویشاں خویش
دیدہ نہادم بہ ہزاراں نیاز　　بر قدم مادر ارزم ساز
مادر من خستہ تیمار من　　چوں نظر افگند بدیدار من
پردہ ز روے شفقت برگرفت　　اشک فشاناں ببرم درگرفت[1]

دہلی کی تعریف: اودھ کے قیام کے زمانے میں خسرو نے بغرا خاں اور سلطان معز الدین کیقباد کی ملاقات کے تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے باپ بیٹے کی شاہانہ ملاقات اودھ میں گھاگھرا اور سرجو ندی کے بیچ میں ہوئی تھی۔

اس ملاقات کو خسرو نے کیقباد کی فرمائش پر قران السعدین میں قلم بند کر کے اپنی سخن وری اور سحر بیانی کا ثبوت دیا ہے، یہ مثنوی نظامی گنجوی کی مخزن الاسرار کے طرز پر خونِ جگر پی پی کر لکھی گئی، اپنی جدت ذہنی، واقعہ نگاری، وصف نگاری، تخیل آفرینی، لفظی صنعت گری اور تمثیل نگاری، کے لحاظ سے یہ ادب العالیہ میں شمار کیے جانے کے لائق ہے، اس سے اس عہد کی بہت سی تاریخی، تمدنی، ثقافتی، اور عمرانی باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں، لیکن اس کی نمایاں خوبی یہ ہے، کہ خسرو کو دہلی سے جو محبت رہی، اس کا اظہار کرنے میں ان کا قلم بہت ہی رقصاں ہو گیا ہے، حمد، نعت اور بادشاہ کی مدح کے بعد ہی دہلی کی تعریف شروع کر دی ہے، کہتے ہیں کہ اس کے دین و انصاف کی شہرت ہر طرف پھیلی ہوئی ہے یہ عدن کی جنت ہے، اپنی صفات اور خصوصیات کے لحاظ سے باغِ ارم ہے،

حضرت دہلی کنف دین و داد　　جنّت عدن ست کہ آباد باد
ہست چو ذات ارم اندر صفات　　حرسہا اللہ عن الحادثات[2]

ایک راسخ مسلمان ہونے کے باوجود اس شہر کی محبت میں اس کو مکہ پر ترجیح دے دی ہے، اس کے لیے یہ شاعرانہ انداز بیان اختیار کیا ہے، کہ اس بوستان کا

---

[1] قران السعدین علی گڈھ ایڈیشن، ص ۲۳-۲۲۲ [2] ایضاً ص ۲۸۔

Marfat.com

قصہ سن کر مکہ بھی ہندوستان کا طواف کرنے لگے، اس کی شہرت سن کر مکہ بہرہ ہو جائے، یہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے دنیا میں قبۂ اسلام بن گیا ہے، اسی نے ساتوں آسمان کا قبہ بندھا ہوا ہے،

گر شنود قصۂ ایں بوستاں مکہ شود طائف ہندوستاں
شہر بنی را بہ سراد قسم شہر خدا گشتہ زصیتش اصم
قبۂ اسلام شدہ در جہاں بستہ او قبۂ ہفت آسماں[1]

خسرو کو دہلی پیاری تھی، اس لیے اس کی ہر چیز پیاری بن گئی ہے جس کی تعریف میں ان کا قلم بے قابو ہوتا گیا ہے، اس کے حصار کے متعلق لکھا:

چرخ بہ زیر است و حصارش از بر[2]

اس کے قلعہ کو مینو سرشت بنایا، اس کے کنگرہ کے بارہ میں ان کے قلم سے یہ نکل آیا ہے،

کنگر او گشتہ زباں جملہ تن وآمدہ! ماہ وسما در سخن[3]

اس کے درو دیوار کی تعریف میں یہ غلو ہے کہ

چرخ نداند در و دیوار کس تکیہ بدیوار درش کردہ بس[4]

یکا یک ان کا خیال دہلی کے لوگوں کی طرف چلا گیا، تو کہہ اٹھے کہ اس کے ہر گھر کا گوشہ بہشت ہے، اس کی زینت و آرائش میں بیحد روپیے خرچ کیے جاتے ہیں، ہر گھر میں عیش و نشاط ہے، جہاں ایسی چہل پہل رہتی ہے، کہ ایک آدمی کے گھر میں سیکڑوں آدمی معلوم ہوتے ہیں،

گوشہ ہر خانہ بہشتے شگرف گشتہ بہ صنعت زرِ بے صرفہ صرف
مردم یک خانہ وصد خرمی خانۂ یک مردم وصد مردمی[5]

یکا یک ان کو اپنے شہر کی جامع مسجد کا خیال آیا ہوگا، تو پھر اس کی تعریف یہ کہہ کر کی، یہ فیض الٰہی کی جامع ہے، اور اس کے خطبہ کی آواز جابلقا تک پہنچی ہے:

---

[1] قران السعدین، ص ۲۹ [2] ایضاً ص ۲۸ [3] ایضاً ص ۲۹ [4] ایضاً -
[5] قران السعدین، ص ۲۹ -

Marfat.com

اس کے گنبد میں بہت سے راز پیوند ہیں:

مسجد او جامع فیض اله   زمزمۂ خطبۂ او تا بماه

گنبد او سلسلہ پیوند راز   سلسلہ چوں کعبہ شدہ حلقہ ساز[1]

یہ مثنوی لکھتے وقت ان کے خیال کی آنکھوں کے سامنے قطب مینار آگیا ہوگا پھر تو اپنے پرواز خیال میں خیال آفرینی کی کہ اس مینارہ کو دیکھ کر چاند نے اپنی ٹوپی اتار پھینکی بلکہ اس کے دیکھنے ہی سے اس کی ٹوپی گر گئی، چاند اس کو دیکھ کر رات سے صبح تک نہیں سوتا ہے،

دیدن او را کلہ افگندہ ماہ   بلک فتادش گہ دیدن بچاہ

ماہ نہ خسپد ہمہ شب تا سحر   کز سخنش خلہ دارد بہ سر

زاں خلہ ہر بار کہ درابر داد   برق زحاجت و دگر جاں فتاد[2]

اور جب ان کو اسی شہر میں وہ حوض یاد آیا جس کو سلطان شمس الدین التمش نے بنایا تھا، تو جہاں اس کے مرغ و ماہی کی تعریف کی ہے وہاں اس کے صاف وشفاف پانی کے متعلق کہہ گئے کہ اس کا پانی خضر پی لیتے تو اپنے چشمہ کو بھول جاتے،

تا خضر آب خوشش او نوش کرد   آب خوش چشمہ فراموش کرد[3]

ان کا قلم دہلی کی آب و ہوا کا ذکر کرنے پر آیا تو کہتے ہیں کہ اس کا پانی اگر کوئی پی لے، تو پھر خراسان کا پانی پینا نہ چاہے، غایت محبت میں ہندوستان کی گرم ہوا کی یہ شاعرانہ تاویل کرتے ہیں کہ آفتاب کو یہاں سے عشق ہے، اس کے عشق کی گرمی کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا گرم ہو گئی ہے۔ اور یہیں سے ساری دنیا میں گرم ہوا پھیل گئی۔

ہر کہ دریں ملک دمے آب خورد   گشت دلش زآب خراسانش سرد

مہر فلک گرم شد اندر وفاش   گرم ازاں گشت جہاں را ہوائش[4]

دہلی کی آب و ہوا کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ یہاں کی خوشگوار نسیم کی وجہ سے اس کے چمن میں پھولوں کی بہار پورے سال رہتی ہے، اس کی سرزمین پھولوں

---

[1] قران السعدین، ص ۳۰ [2] قران السعدین، ص ۳۱ [3] قران السعدین، ص ۳۲۔
[4] قران السعدین، ص ۳۳۔

Marfat.com

کی وجہ سے سونے چاندی سے بھری معلوم ہوتی ہے، بہشت کی طرح یہاں سبزہ زار ہے، اچھی آب و ہوا کے سبب یہاں ہندوستان اور خراسان کے میوے برابر ملتے ہیں بعض میوے ایسے ہیں جو خراسان میں کسی نے نہ کھائے ہوں گے۔

گل ہمہ سالہ بہ چمن خوش نسیم　　خاک ز گلہا شدہ پر زر و سیم
خط تر سبزہ بہ صحرا و کشت　　نسخہ گرفتہ ز سواد بہشت
میوہ ز ہند و ز خراسان بسے　　ز انچہ نخوردہ بہ خراسان کسے[1]

ایک بار تو دہلی کے لوگوں کی تعریف میں ان کا قلم نشاط انگیز ہوجاتا ہے اور یہ کہنے میں تامل نہیں کرتے، کہ اس شہر کے لوگ فرشتہ سیرت اور جنت والوں کی طرح خوش دل اور خوشخو ہوتے ہیں

مردم او جملہ فرشتہ سرشت　　خوش دل و خوش خوے چو اہل بہشت[2]

اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ لکھتے ہیں، کہ یہاں کے لوگ صنعت، علم و ادب، آہنگ و ساز، نغمہ و سرود، نیزہ و پیکاں اور تیر کے ہنر میں بے نظیر ہیں،

ہر چہ ز صنعت ہمہ عالم ست　　ہست در ایشاں و زیادت ہم است
بیشتر از علم و ادب بہرہ مند　　واہل سخن خود کہ شمارد کہ چند
چو ز سخن بگذری آہنگ و ساز　　نغمہ مرغان بہ بریشم نواز
داز ہنر نیزہ و پیکان و تیر　　ہر کہ در آید بہ نظر بے نظیر[3]

پھر دلی کے محبوبوں کی مدح کرنے لگتے ہیں، تو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے چہیتے مرید، ہم جلیس اور ہمراز نہیں ہیں بلکہ محض حسن و عشق کے کوچہ کے رہ نورد ہیں، دلی کے ایسے بتان سادہ نے ان کو اپنی طرف مائل کیا تھا جو پگڑی باندھتے، سر پر ٹیڑھی ٹوپی رکھتے، اپنے ناز و ادا کی وجہ سے کسی کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے، جہاں گلگشت کرتے، وہاں کی گلی ان چلتے پھرتے پھولوں سے معطر ہو جاتی وہ رستہ چلتے تو عشاق ان کے پیچھے ہوتے، جن کی آنکھوں سے خون جاری ہوجاتا، یہ محبوب اپنے حسن کا غرور اپنے سر میں رکھتے لیکن ان کے عشاق

---

[1] قران السعدین، ص ۲۲ [2] ایضاً [3] ایضاً۔

Marfat.com

کا دل ہوا ہیں برباد ہوتا دکھائی دیتا، مثنوی لکھتے لکھتے ان محبوبوں کا ذکر والہانہ اور مضطربانہ انداز میں ایک غزل لکھ کر کیا ہے:

اے دہلی اے بتان سادہ — پگ بستہ و ریشہ کج نہادہ
فرماں نبرند ازانکہ ہستند — از غایت ناز خود مرادہ
جائے کہ برہ کنند گل گشت — در کوچہ و مد گل پیادہ
شاں در رہ و عاشقان دنبال — خوں ناب ز دیدہ ہا کشادہ
ایشاں ہمہ باد حسن در سر — وا ینہا ہمہ دل بباد دادہ[1]

ان محبوبوں کا تعلق کس طبقہ سے تھا اور ان کے پجاری کون تھے وہ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے،

خورشید پرست شد مسلماں — زیں ہندوگان شوخ و سادہ[2]

اس شعر سے وہ باہمی موانست و یگانگت ظاہر ہے، جس کی تلاش اس بیسویں صدی میں ہمارے وطن ہند کو ہے مگر خسرو کے بیان کے مطابق ہندستان کی تیرہویں صدی میں پیدا ہو چکی تھی، جو خسرو ان ہندو محبوبوں کی محبت میں جس طرح خراب و سرمست رہے اس کا اظہار اس طرح کیا ہے،

کردند مرا خراب و سرمست — ایں مغ بچگان تاک زادہ
بربستہ شاں بموئے مرغول — خسرو چو سگے است در قلادہ[3]

خسرو کی جو مذہبی اور پاکبازانہ زندگی رہی اس سے کبھی یہ یقین نہیں کیا جا سکتا ہے، کہ وہ شراب پلانے والے نوجوانوں کے عشق میں خراب و سرمست اور پیچ دار زلف رکھنے والوں کے پیچھے پڑے دارکتے بنے رہے، یہ اُن کی ایک غزل کے اشعار ہیں، جو قران السعدین کی مثنوی میں نغمہ، ترنم اور موسیقیت پیدا کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں، لیکن اس متغزلانہ رنگ میں وہ اس انس و محبت کا اظہار کر گئے ہیں، جو وہ یہاں کے باشندوں کے ساتھ رکھتے تھے یہی ان کی طرف سے ہندوستان کے لیے پیام بن سکتا ہے کہ ایک مسلمان اپنی رواداری اور فراخ دلی میں...

---

[1] قران السعدین، علی گڈھ ایڈیشن ص ۳۶ [2] قران السعدین، ص ۳۷ [3] ایضاً۔

Marfat.com

ہندوؤں کے لیے کیا ہو سکتا ہے'

خسرو دہلی کے مغ بچگان :اک زادہ کے لیے خراب و سرمست ہو سکتے تھے تو پھر دہلی کے شاہی محلوں کے لیے ان کے محبت آمیز جذبات کیوں نہیں بیدار ہوتے' ان کے عہد میں کیلوکھری میں ایک محل قصر نو کے نام سے تعمیر ہوا' اس کی مدح میں بکثرت اشعار کہہ گئے ہیں' ایک شعر میں کہتے ہیں' کہ یہ محل کاہے کوہ ہے' ایک بہشت ہے جس کے دروازے پر طوبیٰ کی شاخ چھائی ہوئی ہے :

قصر نگویم کہ بہشتے فراخ روضہ طوبیٰ در او را بہ شاخ[1]

ایک دوسرے شعر میں اپنے پرواز تخیل کے ساتھ رقم طراز ہیں کہ اس کے سفید کوٹھے کی بلندی آفتاب کے لیے سفید ابر بن گئی ہے۔

بام سفیدش بہ فلک سود سر کرد بخورشید سفیدے ابر[2]

اس محل کے نیچے جمنا بہتی تھی' ایک شاعری یہ دل نواز نکتہ پیدا کر سکتا ہے' کہ اس کا بہتا پانی محل جیسے عروس کے لیے آئینہ کا کام دیتا ہے۔

طرفہ عروسے شدہ آراستہ آئینہ از آب روان خواستہ[3]

دربار میں جشن نوروز میں جو چہل پہل ہوتی تھی' یا اس موقع پر چتر سیاہ' چتر سفید' چتر سرخ' چتر سبز' چتر گل' رایت لعل و سیاہ' گلستان سیم و زر' نخل موم اور دستۂ گل دل فریب سے دربار کی جو زینت و آرائش کی جاتی تھی' اس کی مصوری اس مثنوی میں خسرو نے اپنا شاعرانہ آرٹ دکھا کر جو یہ کہا ہے' کہ

قصر ہمایوں ز زمیں تا سماک ز یور زر بستہ چو فردوس پاک[4]

اس سے ان کے اندرونی جذبات کا اظہار ہوتا ہے' کہ ان کے وطن کے دربار کی زینت و آرائش کا مقابلہ ایران' توران اور خراسان وغیرہ کے درباروں سے نہیں کیا جا سکتا ہے' بلکہ اس کا موازنہ نہ صرف فردوس پاک سے ہو سکتا ہے۔

---

[1] قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن' ص ۵۴ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۵۵۔

[4] قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن' ص ۸۳۔

Marfat.com

قران السعدین میں موضوع کی بڑی رنگا رنگی ہے، اس میں خسرو کا قلم مختلف سمتوں میں چلتا رہا، جہاں ان کو موقع ملا، دہلی یا دہلی کی کسی چیز کی تعریف کرنے لگے ہیں، کسی نہ کسی صورت سے ہندوستان کے خربزے کا ذکر لے آئے ہیں، یہ اون کے وطن کا پھل تھا، اس لیے دل کھول کر اس کی یہ تعریف کی، کہ یہ بہشت کے تمام پھلوں سے بازی لے گیا ہے اس میں قند کی ایسی مٹھاس ہے، اور آب حیات کی ایسی تاثیر ہے،

خربزہ گوئی کہ بہ صحرا دکشت　　گوئے ربود از ثمرات بہشت
از مزہ گرد آمد در وے نبات　　خام خربزہ چو آب حیات[1]

بغراخاں اور کیقباد کی ملاقات کے وقت دونوں میں بڑے قیمتی تحائف کا تبادلہ ہوا۔ جن میں عود، مشک، عنبر، کافور، زر و جواہرات، موتی، یاقوت، گھوڑے، اونٹ، اسلحہ، خطائی، غلام اور حریر و پرنیاں وغیرہ سب کچھ تھے، مگر خسرو کی نظر ہندوستان میں بنے ہوئے کپڑے ہی کی طرف اٹھی، جس کو جامۂ ہندی کہتے ہیں، اس کی تعریف یہ لکھ کر کی ہے، کہ یہ اتنا باریک تھا، کہ پہننے پر جسم نظر آتا تھا، بعض کپڑے ایسے بھی تھے، کہ ان کو لپیٹو تو انگلیوں کے ناخن میں آجائیں۔ اور کھولو تو دنیا کو ڈھانک لیں۔

جامۂ ہندی کہ ندانند نام　　کز تنکی تن بہ نماید تمام
ماندہ بہ پیچیدہ بہ ناخن نہاں　　بار کشایش بہ پوشد جہاں[2]

باپ بیٹے نے ایک دوسرے کی جو شاہانہ دعوتیں کیں، ان کی تفصیل بھی خسرو نے بڑے طمطراق سے بیان کی ہے، دسترخوان پر ایک ہزار سے زیادہ قسموں کی نعمتیں تھیں، ان کو مزے لے لے کر بیان کرنے میں خسرو کا یہ وطنی جذبہ ابھرا ہے، کہ اور ملکوں میں اتنی نعمتیں میسر نہیں، ان دعوتوں میں پان بھی تقسیم ہوا، یہ خسرو کے وطن کی خاص چیز تھی، اس لیے اس کی تعریف میں ان کا قلم چلا، تو مشکل سے رکا، جہاں اس کی مدح سرائی کی ہے، وہاں یہ بھی لکھتے ہیں، کہ یہ ہندوستان کی بہترین نعمت ہے، یہ دیکھنے میں ایک گھاس ہے، لیکن اس سے خون پیدا ہوتا ہے، یہ منہ کی بدبو کو رفع

---

[1] قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن، ص ۱۰۹　[2] قران السعدین، ص ۱۳۲۔

Marfat.com

کرتا ہے، کمزور دانتوں کو مضبوط بناتا ہے، سیر ہو کر کھانے والوں کی بھوک بڑھاتا ہے، اور بھوکوں کی بھوک میں کمی کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ،

ہندوستان کے ارباب علم کی تعریف

امیر خسرو کے سن کی پختگی کے ساتھ ان کی وطنیت اور بھی راسخ ہوتی گئی۔ وہ جب چالیس سال کے تھے، تو اپنے کلام کا تیسرا مجموعہ ۱۲۹۳ء میں غرۃ الکمال کے نام سے مرتب کیا، اس کا ایک طویل دیباچہ نثر میں لکھا ہے، جس میں اور بہت سی باتیں لکھنے کے ساتھ ہندوستان کے فصحاء کا موازنہ ایران اور دوسرے ملکوں سے کیا ہے، ایران والے ہندوستان کے فارسی بولنے والوں کو ہمیشہ نیچی نظر سے دیکھنے کے عادی رہے ہیں، ان کو اپنے سبک ایرانی پر بڑا غرور ہے، خسرو نے بھی اپنے زمانے میں اس کو محسوس کیا، ان کی وطن پرستی جوش میں آئی، تو غرۃ الکمال میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ ہندوستان اور خصوصاً دہلی کے اہل علم دنیا کے تمام ارباب علم سے بہتر ہیں، کہتے ہیں،

"ہندوستان خصوصاً متحرکاتے کہ سکنہ سکینۂ دہلی اند بہ طبع از نیکو طبعان ہمہ عالم غالب اند"

اس کو ثابت کرنے کے لیے بہت سے دلائل دیے ہیں، لکھتے ہیں:

خراسان، عراق، شیراز، بغداد اور ترکی کے لوگ یہاں آتے ہیں تو مجلسوں میں بہت کچھ بولتے اور رچھا جاتے ہیں، مگر اپنی زبان ہی میں بولتے اور شعر کہتے ہیں، ہندوستان کی زبان بولنے میں تو ان کو لکنت آجاتی ہے، لیکن ہندوستان خصوصاً دہلی کے لوگ باہر جاتے ہیں تو وہیں کی زبان بولتے اور لکھتے ہیں، اسی میں نظم و نثر بھی لکھنے لگتے ہیں، یہاں کے جو اہل علم عرب نہیں گئے، وہ بھی عربی میں ایسے اشعار کہہ سکتے ہیں، کہ ان کی فصاحت و بلاغت سے عرب کے لوگ بھی مرعوب ہو جاتے ہیں، وہ یہ بھی لکھتے ہیں، کہ بہت سے ترک اور ترک ایسے ہیں، جنھوں نے ہندوستان ہی میں ترکی زبان کی تعلیم پائی لیکن وہ یہ زبان اس طرح بولتے ہیں، کہ باہر کے فصحاء ان کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں،

Marfat.com

"چندیں تازبک و نہ ترک دیدیم کہ زبان ترکی در ہندوستان بہ تعلیم و کسب
بیاموختند، چناں گفتند کہ فصحا آں طائفہ کہ از بالا بیامدند فرو ماندند"

وہ تو ایران کی فصاحت سے بھی زیادہ متاثر نہیں تھے، لکھتے ہیں، کہ ماوراء النہر کی فارسی میں تو فصاحت پائی جاتی ہے، لیکن ایران میں اس کی وہی حیثیت ہے جو ہندوستان میں ہے، خراسان اور خراسانیوں پر ہمیشہ قلمی ضرب لگانے کے لیے تیار رہتے، بڑی تحقیر کے ساتھ لکھتے ہیں، وہ تو صحیح تلفظ بھی نہیں کر سکتے، کجا کو کجو اور چہ کو چی بولتے ہیں، پھر بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں، کہ ہندوستان میں فارسی سندھ سے جنوب کے سمندری ساحل تک ایک طرح بولی جاتی ہے،

"گفتار فارسی در ہندوستان از لب آب سندھ تا دہانہ دریائے محیط
یک زبان است"

اور پھر اسی فارسی پر ناز کرتے ہوئے رقم طراز ہیں، کہ ہندوستان کی فارسی شاعری میں ایسی وسعت ہے، کہ اس میں ہر قسم کے مضامین کا اظہار ہو سکتا ہے۔

آں را کہ زباں چنیں دراز است شاید کہ سخن فراغ گوید[1]

ان کا یہ بھی دعویٰ تھا، کہ ہندوستان میں اصل فارسی یعنی دری بولی جاتی تھی، ہندی تو یہاں ہر فرسنگ پر مختلف ہو جاتی، لیکن یہاں فارسی ایک ہی طرح بولی جاتی، اور جس طرح بولی جاتی اسی طرح لکھی بھی جاتی۔

"پارسی است کہ ادای زبان با نقش کتابت موافق و مطابق است"

آذربائجان اور سیستان کے لوگوں کے فارسی تلفظ کا تو یہ لکھ کر تمسخر کیا کہ کردہ کہتے وقت ان کی زبان سے کردہ کن نکلے گا، اسی طرح سیستان کے لوگوں کا یہ لکھ کر مذاق اڑایا کہ وہ افعال میں ہیں، (یا سین) خواہ مخواہ بڑھا دیتے ہیں، وہ کردہ ہیں (سین) اور گفتہ ہیں (یا سین) بولیں گے خسرو کا دعویٰ تھا کہ دہلی کے علماء، فضلاء اور فصحاء بلکہ عوام میں بھی اس قسم کا نقص نہیں پایا جاتا، جب باہر کے علماء اور فصحاء یہاں آتے تو دہلی کے لوگ ان ہی کی طرح بول کر ان پر ہنستے ہیں، اور وہ لوگ دہلی کی زبان کو نرم،

---

[1] دیباچہ غرۃ الکمال نسخہ، دار المصنفین۔

Marfat.com

لطیف، درست اور فصیح پاتے ہیں :

معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی ملک کے لوگوں نے ہندوستان کے باشندوں کے سیاہ رنگ پر خسرو کے سامنے طنز کیا تھا، وہ اس طنز سے بے چین ہو گیے اس کا جواب شاعرانہ انداز میں یہ کہہ کر دیا کہ اس رنگ کی ظلمت (تاریکی) کے اندر آب حیات کی تاثیر ہے اس کی سیاہی اس کے لیے کوئی عیب نہیں، کیونکہ یہ سواد اعظم ہے، اس کے سامنے ساری دنیا روسیہ ہو کر رہ گئی ہے۔

ہندو را اے مدعی طعنی بہ تاریکی مزن — زانکہ اندر ظلمت او آب حیواں مدغم است
گر کسے گوید سیہ ہندوستان را عیب نیست — جملہ عالم روسیاہ شد ایں سواد اعظم است[1]

قلعہ جہائین کی تعریف

اسی غرۃ الکمال کے مجموعہ میں ایک مثنوی مفتاح الفتوح بھی ہے، جس میں سلطان جلال الدین خلجی کی معرکہ آرائیوں کا ذکر ہے، وہ جب قلعہ جہائین (نزد رن تھنبور) کی تسخیر کے لیے گیا، تو جب تک جنگ رہی، امیر خسرو اپنے شاہی آقا کے دشمنوں کے لیے سخت الفاظ استعمال کرتے رہے لیکن جب جہائین دہلی کی سلطنت کا حصہ ہو گیا، تو پھر اس کے قلعہ کی تعریف میں بہت ہی تر زبان ہو گیے، ان کی اس تعریف میں ہندوؤں کے طرز تعمیر کے فن کو بھی خراج تحسین ادا کیا ہے، لکھتے ہیں کہ

یہ آسمان کی طرح بلند تھا۔ سنگ خارا سے منقش تھا، ہندوؤں کی بہشت معلوم ہوتا تھا، اس کے نقش و نگار بہت ہی دلفریب تھے، مانی کی تصویریں بھی اس کے سامنے مات تھیں، پتھر کی ایسی سیکڑوں مورتیاں دیکھنے میں آئیں، جو موم سے بھی نہیں بنائی جا سکتی تھیں، دیوار کی گچ آئینہ کی طرح صاف شفاف تھی، اس کی کہگل گھسے ہوئے صندل سے کی گئی تھی، اس کی لکڑیاں خالص عود کی تھیں، اس کے باغ میں بہت سے بت خانے تھے، جن پر سونے چاندی کی نقش آرائی تھی، شاعرانہ انداز میں یہ بھی کہہ گیے۔

---

[1] دیباچہ غرۃ الکمال قلمی دار المصنفین۔

Marfat.com

گر آں فرہاد را دل را گذشتی　　دلش را قصر شیریں تلخ گشتی[1]

سنسکرت زبان کی قدردانی

ان کی حب الوطنی کے جذبات مثنوی دولرانی خضرخاں لکھتے وقت بھی اچھی طرح اُبھرے ہیں، انھوں نے اپنی عمر کے ۶۵ ویں سال یعنی ۱۳۱۵ء میں لکھی، اس میں علاء الدین خلجی کے لڑکے خضرخاں اور گجرات کے راجہ کرن سنگھ کی لڑکی دولرانی کے عشق محبّت کی داستان لکھنے بیٹھے تھے، مگر جا بجا وطنی محبّت میں سرشار ہو کر ہندوستان کی مختلف چیزوں پر گل افشانی کرتے چلے جاتے ہیں، سنسکرت کی تعریف کرنی چاہتے تھے۔ اس لیے اس کا ذکر اس مثنوی میں لے آتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ فارسی زبان سے کم نہیں ہے

غلط کردم گر زدانش زنی دم　　نہ لفظ ہندیست از پارسی کم[2]

اس زبان کو عربی کے علاوہ جو تمام زبانوں پر فضیلت رکھتی ہے، اور تمام زبانوں پر فوقیت حاصل ہے،

بجز تازی کہ میر ہر زبانست　　کہ بر جملہ زبانہا کامرانست[3]

اس کی خوبی یہ بھی بتائی کہ عربی زبان کی طرح اس میں کسی اور زبان کی آمیزش نہیں، سنسکرت کے صرف و نحو کو عربی ہی کی طرح بتاتے ہیں۔

گر آئین عرب نحو است دگر صرف　　از اں آئین دریں کم نیست یک حرف[4]

سنسکرت کے معانی و بیان کو دوسری زبان سے کم نہیں سمجھتے رہے۔

دگر پرسی بیانش از معانی　　دراں نیز از دگرہا کم نہ دانی[5]

جامۂ ہندی کی تعریف

ہندوستان کے بنے ہوئے کپڑوں میں ایک کپڑا دیوگیری کا ذکر آگیا ہے،

---

[1] نیز دیکھو مفتاح الفتوح مطبوعہ اورنٹیل کالج میگزین لاہور، ص ۳۶-۳۵۔

[2] دول رانی خضرخاں علی گڑھ ایڈیشن، ص ۴۱۔

[3] دول رانی خضرخاں، ص ۴۲　[4] ایضاً　[5] ایضاً۔

Marfat.com

یہ خسرو کو بہت پسند آگیا تھا، اس لیے کہتے ہیں، کہ پری وش محبوب اس کو بہت پسند کرتے ہیں، یہ کتان سے بھی بہتر ہوتا ہے، اس کی خوبی یہ ہے کہ چمک میں آفتاب معلوم ہوتا ہے، ٹھنڈک میں ماہتاب دکھائی دیتا ہے، اور پھر اس پر سایہ بھی چھایا نظر آتا ہے۔

نکو دانند خوبان پری کش — کہ لطف دبوگیری از کتان بیش
ز لطف آں جامہ گوئی آفتابے است — ز باخود سایہ ماہتابے است

آم کی تعریف

ہندوستان کے قومی پھل آم کا بھی ذکر کرتے ہیں، شاید کسی نے ان کے سامنے کہہ دیا ہوگا کہ انجیر آم سے بہتر ہوتی ہے، اس زمانے میں کوئی اچھے قسم کی انجیر باہر سے آتی ہو، جسے ان کی وطنی محبت یہ گوارا نہیں کرسکی، کہ ہندوستان کے اس بہترین قومی پھل کو کسی اور پھل سے بہتر قرار دیا جائے، اس لیے بھلا کہتے ہیں، کہ جو لوگ انجیر کو ہمارے آم پر ترجیح دیتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اندھی عورت بصرہ کو شام سے بہتر بتائے۔

زبے انصاف نتواں یافت ایں کام — کہ عمیا بصرہ را بہ گوید از شام
دگر کس سوئے خود گردد جہت گیر — نہد کم نغزک ما را ز انجیر[1]

ہندوستان کے پھولوں کی تعریف

خسرو کا ایک بے مثل شاعر ہونے کی حیثیت سے پھولوں کی رنگینیوں سے متاثر ہونا ضروری تھا۔ مگر ان کے ان تاثرات میں جمالیاتی ذوق سے زیادہ وطنی محبت زیادہ نمایاں ہوگئی ہے، وہ پھولوں میں سوسن۔ بنفشہ، کبود، بیلا، گل زریں، گل سرخ، ریحان، گل کوزہ۔ گل لالہ، گل سفید، سیر غم، صد برگ، نسترن، یاسمین، دونا، کرنا، نیلوفر، ڈھاک۔ چمپا۔ جوہی، کیوڑہ، سیوتی۔ گلاب اور مولسری کا ذکر کرتے ہیں

---

[1] دول رانی خضر خاں، ص ۴۳۔

Marfat.com

ان پھولوں کی تعریف تو سب ہی شاعر کرتے آئے ہیں، لیکن خسرو نے ان پھولوں کی جو تعریف کی ہے اس میں اپنے وطنی جذبات سے جس طرح مسحور اور مغلوب نظر آتے ہیں، وہ زیادہ لائق توجہ اور قابل قدر ہے، پہلے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان پھولوں میں صرف بنفشہ، یاسمن، اور نسترن ایران سے ہندوستان لائے گیے، ورنہ اور تمام پھول ان ہی کے وطن کی خاص پیداوار ہیں[1] پھر تو ان کے اشعار میں شعریت اور رومانیت کی ہے دو آتشہ کا نشہ چھایا نظر آتا ہے۔ ان کی تعریف بہت ہی دلبرانہ اور دلربایانہ انداز میں کرتے ہیں مثلاً گل کوزہ کے بارے میں لکھتے ہیں، کہ اس میں پانی کی سی لطافت ہے، لیکن خود پانی نے اپنی لطافت اس پھول سے دریوزہ گری کی ہے۔

گل کوزہ کہ دور چرخ گرداں — پدید از خاک پاک ہند کرد آں
تری آب را در کوزہ کردہ — لطافت آب ازو دریوزہ کردہ[2]

بیلا کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے ایک پھول میں سات پھول ہوتے ہیں، اس کی خوشبو میں دلربائی ہے، اس لیے عاشقوں کے دلوں میں جگہ پاتی ہے۔

ازیں سو بیل پیشانی کشادہ — بہ یک گل ہفت گل برہم نہادہ
وزاں سو دلربائے عاشقاں جائے — ہمہ تن بہر دلہا راشدہ جائے[3]

کیوڑے کے بارے میں رقم طراز ہیں۔ کہ اس سے معشوقوں کی پوشاک باسی جاتی ہے، دو برس کے بعد بھی اس کی خوشبو ایسی ہی باقی رہتی ہے، کپڑا پھٹ بھی جائے، تو اس کی خوشبو نہیں جاتی۔

زبویش حلہ خوباں معطر — دو سالہ خشک و بویش نرفتہ[4]
براں جامہ کہ ازوے بو گرفتہ — دریدہ جامہ و بویش نرفتہ

رائے چپا کو پھولوں کا بادشاہ قرار دیا ہے، کہتے ہیں کہ اس کی خوشبو ایسی ہے کہ جیسے شراب میں کسی نے مشک ملا دیا ہے، چنبیلی جیسے بدن والے معشوق کی طرح نازک ہوتا ہے، اس میں زردی عاشقوں کے چہرے کی طرح ہوتی ہے،

---

[1] دول رانی خضر خاں، ص ۱۲۸ [2] ایضاً ص ۱۲۹ [3] ایضاً ص ۱۳۰۔
[4] دول رانی خضر خاں، ص ۱۳۰۔

Marfat.com

دگر آں رائے چنبہ شاہ گلہا   کہ بویش مشکبارہ آمد جو ملہا[1]
چو معشوق سمن بر ناز پرورد   ولے رنگش چو روئے عاشقان زرد

مولسری کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کی طرف تمام لوگوں کا دل مائل ہے، اس کے پھول معشوق کی گردن کے حمائل ہیں،

بہ سویش بسکہ دلہا گشتہ مائل   شدہ در گردن خوباں حمائل[2]

سیوتی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ بھوڑا اس کے لیے جان دیتی ہے مرنے کے بعد بھی اس سے لپٹی رہتی ہے، معشوق عاشق کی طرح اس کے لیے سرگرداں رہتا ہے، یہ پھولوں کے معشوقوں کا معشوق ہے،

زعشق بوے او جاں دادہ زنبور   نگشتہ بعد مردن نیز از و دور
ہمہ خوبانش عاشق دار جویاں   کہ معشوقیست نزد خوبرویاں[3]

اسی طرح اور دوسرے پھولوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں جب یہ پھول کھلتے ہیں، اور کالی گھٹائیں چھا جاتی ہیں، یا ان گھٹاؤں میں سے جب ترشح ہوتا ہے، تو ان پھولوں کا باغ، فردوس کا باغ معلوم ہوتا ہے، بلکہ فردوس میں بھی ایسا خوشگوار منظر نہ ہوتا ہوگا، آخر میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے ایسے پھول اگر روم و شام میں ہوتے تو وہاں کے لوگ ان کی تعریف دنیا میں کرتے پھرتے۔[4]

ہندوستان کے حسن کی تعریف

امیر خسرو کو جس طرح ہندوستان کے پھول دوسرے ملکوں کے پھولوں سے بہتر نظر آئے، اسی طرح ان کی نظر میں ہندوستان کے مقابلے میں کسی اور جگہ کا حسن بالکل نہیں جچا، انھوں نے تمام بین الاقوامی حسن کو اس میں کچھ نہ کچھ نقص نکال کر رد کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں ان کی نظریں مصر، روس، تاتار، قندھار، سمرقند، ختن، خلخ اور یغما کے حسن پر پڑی تھیں، ان میں روایتی طور پر خلخ اور یغما کا حسن یاد؛

۱؎ دول رانی خضر خاں، ص ۱۳۱ ۲؎ ایضاً ص ۱۳۱ ۳؎ ایضاً ص ۱۳۲۔

۴؎ دول رانی خضر خاں علی گڑھ اڈیشن، ص ۱۳۲۔

Marfat.com

مشہور رہا، مگر خسرو کو ان جگہوں کا بھی حسن پسند نہ آیا، کیونکہ ان کے قول کے مطابق ان کے حسین تیز چشم اور ترش رخ ہوتے، خراسان کا حسن بھی مشہور رہا، کیونکہ ان کے چہرے پر سرخی اور سپیدی دونوں ہوتی، مگر خسرو کو ہندوستان کے مقابلہ میں خراسان کی ہر چیز ناپسند تھی، اس لیے ان کے سُرخ اور سپید رنگ کے حسینوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ ان کے جیسے پھول ہوتے ہیں، ویسے حسین بھی ہوا کرتے ہیں، یعنی رنگ ہے لیکن خوشبو یعنی دلآویزی نہیں، ان کو روم و روس کا حسن بھی پسند نہیں تھا، کیونکہ ان کے معیار کے مطابق ان میں عجز و انکسار نہیں ہوتا، پھر اون کے خیال کے مطابق یہاں کے حسین برفسا کی طرح سرد ہوتے، ان کی آنکھیں چھوٹی اور ناکیں پست ہوتیں، وہ تاتاری حسینوں کو بھی ناپسند کرتے، کیونکہ ان کے لبوں پر ہنسی نہیں دکھائی دیتی، وہ ختن کے حسینوں کو بھی لائق توجہ اس لیے نہیں قرار دیتے کہ ان کے چہرے پر نمک نہیں ہوتا، سمرقند اور بخارا کے حسن میں ان کو شیرینی محسوس نہیں ہوتی، اس طرح مصر اور روم کے سفید بدن حسینوں میں چستی و چالاکی نہیں پاتے، جو چیزیں ان بیرونی ممالک کے حسینوں میں نہیں پائی جاتیں وہ خسرو کو ہندوستان کے حسن میں دکھائی دیتیں، یعنی عجز و انکسار بھی لبوں پر تبسم بھی، چہرے پر نمک بھی، شیرینی بھی، اداؤں میں چستی اور چالاکی بھی اس لیے بے اختیار ہو کر لکھ گئے ہیں،

بتان ہند را نسبت ہمیں است بہر یک موے شاں صد ملک چیں است[1]

یہ سب لکھنے کو تو خسرو لکھ گئے، لیکن ہندوستان کے حسینوں میں ہر قسم کا رنگ پایا جاتا ہے، اس کی شاعرانہ تاویل بھی بڑی خوبی کے ساتھ کی ہے، لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے حسینوں کے تین رنگ ہوتے ہیں، سیاہ، گندمی اور سبزہ، سیاہ رنگ کی خوبی بیان کرنا ذرا مشکل ہے، مگر اس میں یہ کہہ کر شعریت پیدا کر دی ہے کہ آنکھوں کی پتلی تو سیاہ ہی ہوتی ہے، اور اس میں آدمی سیاہ ہی نظر آتا ہے اور ہر پتلی کے لیے سرمہ چاہیے، سرمہ کا رنگ سیاہ ہی ہوتا ہے، سپید رنگ تو عارضی ہوتا ہے، اس لیے بے سود ہے۔

---

[1] دول رانی خضر خاں علی گڑھ ایڈیشن، ص ۱۴۳۔

Marfat.com

سپیہ را خود بدیدہ جایگاہ است | کہ اندر دیدہ ہم مردم سیاہ است[1]
زبہر دیدہ باید سرمہ را سود | سپیدہ عارضی رنگ است بے سود

گندمی رنگ کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت آدمؑ نے گندم ہی کو پسند فرمایا اور پھر اسی گندم سے سارا فتنہ اُٹھا، اگر گندم کے آٹے کے ساتھ نمک ملا دیا جاتا ہے تو سیکڑوں بے نمک سپید ٹکیوں سے یہ بہتر ہو جاتا ہے، خسرو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ گندمی رنگ کے ساتھ چہرے پر نمک بھی ہو، تو چہرے کی سفیدی سے کہیں بہتر یہ رنگ ہوتا ہے۔

بگندم گونست میل آدمی زاد | کہ ایں فتنہ ز آدم یافت بنیاد
یکے گندم بہ کام اندر نمک دہ | ز صد قرص سپید بے نمک بہ[2]

خسرو کو ہندوستان کے حسینوں کا سبزہ رنگ بہت پسند تھا، اس لیے اس رنگ کی تعریف میں ان کا قلم خوب چلا ہے، کہتے ہیں کہ یہ سبزہ رنگ لالہ و نسرین کے رنگ سے بہتر ہوتا ہے، بہشت کے طاؤس کا رنگ بھی یہی ہے، ستاروں کی زینت بھی اسی رنگ سے ہے، بہشتیوں کی پوشاک کا بھی یہی رنگ ہے، بہار کی رونق بھی اسی رنگ سے ہے۔ وغیرہ وغیرہ، یہ تو ہندوستان کے حسینوں کے رنگ کی مدح سرائی ہوئی، خسرو کے عہد میں جو تہذیب تھی، اس لحاظ سے کسی شریف یا پردہ نشیں عورت کی قلمی تصویر کھینچنا معیوب تھا، لیکن حسن کی پسندیدگی ہندوستانی ذوق کی نمائندگی ان سرو دنیا زنا صاؤں کی مرقع آرائی کرکے کی ہے جو شہزادہ خضر خاں کی شادی کے موقع پر بلائی گئی تھیں، یہ طبقہ اچھی نظر سے تو نہیں دیکھا جاتا ہے مگر ان ہی کے ذریعہ شعراء نے بھی ہندوستانی حسن و عشق کی ساری داستان مرتب کرنے کی کوشش کی ہے، خسرو نے ان حسینوں کو اپنے ناظرین کی خیالی آنکھوں کے سامنے لاکر جو کھڑا کر دیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں ہندوستان کے حسن کا کیا معیار تھا، ذرہ سُنئے:

ان کے مژگاں سے سینے چھلنی ہو جائیں، ان کی دزدیدہ نگاہوں سے غم جاتا رہے، ان کے کرشمے سے روح نکل پڑے، وہ پلکیں ماریں تو جوان ہلاک ہو جائیں،

---

[1] دول رانی خضر خاں، ص ۱۳۴ [2] ایضاً۔

Marfat.com

ان کی ہنسی سے جانیں تلف ہو کر رہ جائیں، ان کے تل موتی کی ڈبیا کی طرح ہوں، ان کے ابرو کے کمان پر جانیں قربان ہوں، ان کے گیسوؤں میں ایسے پیچ و خم ہوں کہ معلوم ہو کہ سانپ صندل میں لپٹا ہوا ہے، ان کی زلفوں کے خیال میں وہی کیفیت پیدا ہو، جو روزہ داروں کی شام میں ہوا کرتی ہے، ان کی نیم خواب اور نیم بیدار آنکھوں کو دیکھ کر نیند حرام ہو جائے "ان کے دہن غنچہ کی طرح کبھی بند کبھی شگفتہ ہوں ان کے زنخداں سیب کی طرح ہوں، اگر ان سے پسینہ ٹپکے تو پسینے میں ان کے ناز و ادا گرتے ہوئے دیکھے جائیں۔

یہ تو راقم کے الفاظ ہوئے اب ذرا خسرو کے اشعار سے بھی محظوظ ہوں ص ۱۵۹/۵۸

بہ مژگانے یکے صد سینہ سفتہ	چہ غم دارد مرا در دیدہ گفتہ
بہر چشمک زدن کشتہ جوانے	بہر خندہ زدن بر بودہ جانے
زخال چوں شبہ بر درج مرجاں	بیک گنجد نہادہ نرخ صد جاں
ز ابروہا کہ قرباں گشتہ جانہا	دو گاں افگندہ در قرباں کمانہا
دو گیسو گرد ہر یک پیچ کردہ	چو مارے گرد صندل پیچ خوردہ
خیال زلف شاں در جان یاراں	چو شام اندر خیال روزہ داراں
ربودہ خواب بیداراں بیک بار	ز چشم نیم خواب و نیم بیدار
دہن ہائے چو غنچہ گاہ گفتن	گہے در بستن و گہ در شگفتن
زنخ ہائے چو سیب لعل گونہ	نہ چو سیب دو رنگ ابرص نمونہ
عرق کز روئے ہر طناز می ریخت	کرشمہ می چکید و ناز می ریخت

ہندوستان کے مراسم پر اظہار مسرت

شہزادہ خضر خاں کی شادی کے موقع پر شہر کی پوری آرایش کی گئی۔ در و دیوار پر تصویریں بنائی گئیں، راستوں پر دیبا کے فرش بچھائے گئے، نوبت اور شادیانے دمامے اور ڈھول بجائے گئے، نٹوں نے ڈوریوں پر تماشے دکھائے، شعبدہ بازوں نے طرح طرح کی شعبدہ بازیاں کیں، بہروپیوں نے سوانگ بھرے، رقاصاؤں نے رقص و سرود سے تماشائیوں کو محظوظ کیا، نجومیوں نے ساعت سعید مقرر کی، تو بارات

Marfat.com

ہاتھی، گھوڑے اور لشکریوں کے جلوس میں روانہ ہوئی، راستہ میں یاقوت اور موتی لٹائے گئے، نکاح نیک ساعت میں پڑھا گیا، تو دولھا پر موتی نچھاور کیے گئے، دولھا دولھن کے گھر پر گیا تو دولھن کو اس کے سامنے لاکر جلوہ دکھانے کی رسم ادا کی گئی، وغیرہ وغیرہ[1]، ان سب میں ہندوستانی اثرات زیادہ نمایاں تھے، جن کو خسرو نے مزے لے لے کر یہ ظاہر کرنے کے لیے بیان کیا ہے، کہ مسلمانوں کے یہاں جو ہندوستانی تہذیب سرایت کر رہی تھی، اس سے وہ خود خوش تھے۔

مذہبی عقائد کا احترام

وطنی محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وطن کی سرزمین میں جتنے لوگ رہتے ہوں، ان سے بھی مذہب، عقیدہ، ذات پات کی تفریق کے بغیر محبت کی جائے، خسرو کے یہاں اس کا بھی پیام ملتا ہے مثلاً اپنی مثنوی دول رانی خضر خاں میں ایک آتش پرست ہندو کا ذکر لے آئے ہیں، لکھتے ہیں، کہ اس سے سوال کیا گیا، کہ وہ آگ کی پرستش کیوں کرتا ہے، اور اس کے لیے جان کیوں دیتا ہے، اس نے جواب دیا کہ آگ کو دیکھ کر امید وصل فروزاں ہوتی رہتی ہے، اور آگ میں فنا ہو کر لقاء حاصل ہوتی ہے[2]،

محبت میں ایمانی جذبۂ وطنی

امیر خسرو نے قطب الدین مبارک خلجی کی فرمائش پر اپنی مثنوی نہ سپہر ۱۳۱۸ء میں لکھنی شروع کی، اس میں وہ اپنے شاہی آقا کی تخت نشینی اور اس کی لشکر کشی وغیرہ کا حال لکھنا چاہتے تھے، مگر ان کے جو وطنی جذبات دبے ہوئے تھے، وہ اس مثنوی میں بہت زیادہ اُبھر کر سامنے آگئے ہیں، اگر قران السعدین کو مثنوی در صفت دہلی کہا جاسکتا ہے، تو نہ سپہر کو مثنوی در صفت ہندوستان کہا جاسکتا ہے اس میں تو وہ اپنی وطنیت کے اظہار میں بالکل مخمور اور سرشار ہوگئے ہیں، اسی سرمستی میں کہہ

---

[1] مثنوی دول رانی خضر خاں، ص ۱۷۰-۱۵۳ [2] ایضاً ص ۹۶ - ۱۹۵ -

Marfat.com

اُٹھے ہیں،

حکمت و دانائی و علم و ہُنر وانچہ در ہند معانیست دگر[1]

پھر اپنی وطنیت کو مذہبی رنگ یہ کہہ کر دیتے ہیں، کہ وہ اس سے ضرور محبت کرتے ہیں، اور بہت محبت کرتے ہیں، اس لیے کہ یہ ان کا مولد ماویٰ اور وطن ہے، اور ان کے رسول کی تعلیم ہے کہ وطن کی محبت ایمان کا جزء ہے۔

آنست یکے کیں زمیں از دو زمن ہست مرا مولد و ماویٰ و وطن

دیں ز رسول آمدہ کائی زمرۂ دیں حب وطن ہست ز ایماں بہ یقیں[2]

ہندوستان جنت ارضی ہے: اسی کے بعد یہ لکھتے ہیں،

کشور ہند است بہشتی بزمیں[3]

اس کے ثبوت میں سات اسباب فراہم کیے ہیں[4]، ممکن ہے کہ ان اسباب میں از منۂ وسطیٰ کا طرز استدلال دکھائی دے، جو موجودہ دور کے ذہن کے لیے زیادہ قابل قبول نہ سمجھا جائے، مگر خسرو نے جس جذبہ اور جس جوش و خروش کے ساتھ ان اسباب کو منظوم کیا ہے، وہ قابل قدر ہے پہلے چار اسباب تو یہ بتاتے ہیں کہ حضرت آدم جنت سے ہندوستان میں آئے یہاں طاؤس جیسا فردوس کا پرندہ ہوتا ہے، یہاں سانپ بھی باغ فلک سے آیا، حضرت آدم ہند سے باہر نکلے تو فردوس کی نعمتوں سے محروم ہو گیے، اس کے بعد خسرو نے اور وجوہ اسباب بتائے ہیں، ان میں بڑا جذباتی رنگ پیدا ہو گیا ہے، جس سے آج کل کے جذبات کو بھی تسکین ہو سکتی ہے، لکھتے ہیں کہ یہاں خوشی اور عیش کے ساتھ اس کے پھول اور مٹی میں طرب ناکی ہے، جس سے نشاط و آسائش کا سامان پیدا ہوتا رہتا ہے، یہاں کے پھولوں اور خوشبوؤں کی وجہ سے سال کے ہر حصہ میں اس کی سرزمین گلزار بنی رہتی ہے، رے اور روم میں تو پھول دو تین مہینے سے زیادہ نہیں دکھائی دیتے، اور وہاں جو پھول ہوتے بھی ہیں، تو یخ اور ژالہ کی وجہ سے ان میں خوشبو نہیں ہوتی، سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان اپنی نعمتوں اور خوبیوں کی وجہ سے بہشت ہے۔

---

[1] مثنوی نہ سپہر بمبئی ایڈیشن، ص ۱۴۹ [2] ایضاً ص ۱۵۰ [3] ایضاً ص ۱۵۱ [4] ایضاً ص ۱۵۰ - ۱۵۱۔

Marfat.com

خوش دلی و عیش فزا لیست چناں — کاں زمی از روح شدہ دار جناں[1]

بس ہمہ حال زخوبی و بہی — ہند بہشت است باثبات رہی[2]

آخر میں کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا تخیل ہے کہ موت کے بعد ان کو جنت ملے گی، اس لیے وہ اس دنیا کو قید خانہ سمجھتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں جو نسیم بہتی ہے اس سے ہندوستان خود بخود جنت بن گیا ہے، اور ہندوستان کے مسلمان اس سرزمین کو قید خانہ کے بجائے خلد بریں سمجھنے لگے ہیں۔

گرچہ کہ بر نسبت فردوس نہاں — با ہمہ لطفیش چو زنداں است جہاں

لیک بہ ہند است نسیمیش دگر — کانش دروں می دہد از جنت اثر

زاں سبب خاص بر اصحاب یقیں — ہند تواں گفت کہ خلد است بریں[3]

ہندوستان کی آب و ہوا کی خوبیاں

قران السعدین میں خسرو نے مختصر طور پر ہندوستان اور دہلی کی آب و ہوا کی تعریف کی تھی، ان کو شاید اس اختصار سے تسکین نہیں ہوئی، اس لیے نہ سپہر میں ہندوستان کی آب و ہوا کی پھر مدح شروع کر دی ہے، وہ کوئی ماہر موسمیات تو نہیں تھے، محض شاعر تھے، اسی لیے شاعرانہ انداز میں اس کی دس خوبیاں بتا کر اس کو دوسرے ممالک کی آب و ہوا سے بہتر قرار دیا ہے[4]، پہلی خوبی تو یہ بتائی ہے کہ یہاں کی سردی سے کسی آدمی کو نقصان نہیں پہنچتا، ہندوستان کی فضیلت بیان کرنے میں خراسان کو ہمیشہ نیچا دکھاتے ہیں، اس لیے اس سلسلہ میں دوسری خوبی یہ بتاتے ہیں، کہ خراسان میں لوگ ٹھنڈک سے مر جاتے ہیں، مگر ہندوستان میں سردی سے ہلاک نہیں ہوتے، تیسری خوبی یہ لکھی ہے کہ یہاں کی سرد ہوا کے خوف سے غریبوں کو زیادہ سرمائی سامان

---

[1] مثنوی نہ سپہر بمبئی ایڈیشن، ص ۱۵۵ [2] ایضاً ص ۱۵۰ -

[3] مثنوی نہ سپہر، ص ۱۵۷ [4] ایضاً ص ۱۶۱ -

Marfat.com

کی ضرورت نہیں ہوتی، ایک کمبل کافی ہوتا ہے، کسان تو ایک پرانی چادر میں رات گذار لیتا ہے، برہمن تو رات کے آخری حصّہ میں جمنا کے ٹھنڈے پانی میں غوطہ لگاتے ہیں، خسرو کے نزدیک چوتھی خوبی یہ ہے کہ خراسان میں دو تین ہفتے پھول کھلتے دکھائی دیتے ہیں، لیکن ہندوستان میں پورے سال گل و مل کی بہار رہتی ہے، یہاں کی آب و ہوا کی وجہ سے یہاں کے پھول گل بابونہ کی طرح خوش رنگ رہتے ہیں، و رہیاں کے پھولوں میں خشک ہونے کے بعد بھی خوشبو رہتی ہے، یہ خسرو کے نزدیک پانچویں اور چھٹی خوبیاں ہیں، پھر یہاں کی آب و ہوا ہی کی وجہ سے امرود، آم، کیلا، الائچی، کافور اور رونگ جیسی چیزیں ہوتی ہیں، اس کو وہ ساتویں خوبی قرار دیتے ہیں، ایک بار پھر وہ خراسان اور ہندوستان کا موازنہ کرنے لگتے ہیں، کہتے ہیں کہ خراسان کے بہت سے میوے ہندوستان میں پائے جاتے ہیں، لیکن ہندوستان کے میوے وہاں نہیں ہوتے، اس کو وہ آٹھویں خوبی بتاتے ہیں، بقیہ دو خوبیوں کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ یہاں کی آب و ہوا کی وجہ سے دو نادر چیزیں ہوتی ہیں، ایک کیلا، دوسرا پان، کیلا تو اب ہندوستان سے باہر بھی ہونے لگا ہے، لیکن پان کہیں اور جگہ نہیں ہوتا ہے، اس کو وہ میوہ ہی قرار دیتے ہیں،

ہست نہ ہم آنکہ چو تنبول گزیں میوہ نہ باشد بہمہ روے زمیں[1]

ہندوؤں کے علوم و فنون کی تعریف

یہاں تک تو خسرو نے اپنے وطن کی آب و ہوا کی خوبیاں بتائیں، وہ اپنے ہم مذہبوں کو اپنے وطنی بھائیوں کے علوم و فنون کی قدر کرنے کی تلقین بھی کرتے ہیں، اسی بڑی فراخ دلی سے لکھتے ہیں، کہ ان کے یہاں کے دانش و معانی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا روم سے فلسفہ ضرور پھیلا، لیکن ہندوؤں کے یہاں بھی یہ علم کم نہیں، یہاں منطق بھی ہے، نجوم بھی ہے، علم کلام بھی ہے، البتہ ان کے یہاں فقہ نہیں، برہمنوں کے علم کی

---

[1] مثنوی نہ سپہر بمبئی ایڈیشن، ص ۱۶۱۔

[2] مثنوی نہ سپہر، ص ۱۷۲۔ ۱۶۱۔

Marfat.com

تعریف یہ لکھ کر کی ہے۔

برہمنے ہست کہ در علم و خرد　　دفتر قانون ارسطو بدرد[1]

خسرو کے بیان کے مطابق ہندوستان میں طبعیات، ریاضیات، اور ہیئت وغیرہ سب کچھ ہیں، البتہ یہاں کے لوگ مابعد الطبیعیاتی علوم نہیں جانتے۔ خسرو کے اس بیان کے آخری ٹکڑے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، گو خسرو نے یہ لکھ کر اس کو یہ کہہ کر سنبھالا ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ اور بھی تو ہیں مابعد الطبیعیاتی علوم سے واقف نہیں۔

ہندوؤں کی وحدانیت کا اعتراف

اس کے بعد خسرو نے ہندوؤں کے مذہبی عقائد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ بہت ہی اہم ہے، مسلمانوں کے یہاں توحید ایمان کا سب سے بڑا جزہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل نہیں، ان کو وہ مذہبی حیثیت سے ادنیٰ درجہ تک دینے کے لیے تیار نہیں، وہ ہندوؤں کو محض بت پرست سمجھتے رہے ہیں، خسرو ہندو مسلمان کو ایک دوسرے سے قریب تر دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے ہم مذہبوں کو یہ کہہ کر یقین دلانے کی کوشش کی، کہ ہندو ہمارے مذہب کے تو معتقد نہیں، لیکن ان کے بہت سے عقائد ہم سے مشابہ ہیں، لکھتے ہیں کہ وہ خداوند تعالیٰ کی ہستی، وحدت، اور قدم کے معترف ہیں، وہ اس کے بھی قائل ہیں، کہ وہی عدم سے اس دنیا کو وجود میں لایا، وہی روزی عطا کرتا ہے، وہی نیکی اور بدی کا خالق ہے، اس کی حکمت ازلی و ابدی ہے، وہی ازل سے ہر کل وجزو کا مختار اور فاعل ہے، یہ ساری باتیں تحقیق کر کے لکھی جا رہی ہیں، ان میں جھوٹ نہیں،

معترف وحدت و ہستی و قدم　　قدرت ایجاد ہمہ بعد عدم
رازق ہر بہ ہنر و بے ہنر　　عمر بر و جان دہ ہر جانورے
خالق افعال بہ نیکی و بدی　　حکمت و حکمتش ازلی و ابدی

---

[1] مثنوی نہ سپہر، ص ۱۶۲۔

Marfat.com

فاعل مختار و مجازی بہ عمل   عالم ہر کل و جزوی زازل
ایں ہمہ را گشت بہ تحقیق مقر   نے چو بسے طائفہ ہر کذب مُصر[1]

ہندو مذہب کا مقابلہ دوسرے مذاہب سے

اسی پر وہ اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ ہندوؤں کے مذہب کا مقابلہ و موازنہ دوسرے مذاہب سے بھی کرتے ہیں، انھوں نے اس مذہب کو اسلام کے علاوہ اور تمام مذاہب سے بہتر قرار دیا ہے لکھتے ہیں، کہ ثنوی فرقہ خدا کو ایک کے بجائے دو مانتے ہیں، لیکن ہندو خدا کو ایک ہی مانتے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں، ہندوؤں کا یہ عقیدہ نہیں، فرقہ مجسمہ خدا کو صاحب جسم مانتا ہے، ہندو ایسا اعتقاد نہیں رکھتے، ستارہ پرست کی طرح ہندو سات خدا نہیں مانتے، فرقہ مشبہ خدا کو ممکنات سے تشبیہ دیتے ہیں، لیکن ہندو اس کے خلاف ہیں، پارسی نور و ظلمت دو خدا مانتے ہیں، لیکن ہندوؤں کا ایسا خیال نہیں، وہ پتھر جانور، آفتاب اور درخت کو ضرور پوجتے ہیں، لیکن ان کی پرستش میں جو اخلاص ہے، وہ قابل قدر ہے، ان کو پوجنے کے باوجود وہ اس کے قائل ہیں، کہ یہ سب ایک ہی خالق کی مخلوقات ہیں، وہ اس کی اطاعت کے منکر نہیں[2]، ہندوؤں کی بت پرستی کے متعلق خسرو کا یہ شعر تو بہت مشہور رہا۔

اے کہ ز بت طعنہ بہ ہندو بری   ہم زوے آموز پرستش گری

ہندوستان کی فضیلت

ہندوستان کی فضیلت بیان کرنے میں خسرو کا قلم چلا تو رُکا نہیں، ——— اسی لیے ایک دوسرے انداز میں اس کی برتری بتانا شروع کر دیا ہے، اس کی فضیلت کے دس اسباب بتائے ہیں[3]، مثلاً یہاں علم اور جگہوں کے مقابلہ میں زیادہ

---

[1] مثنوی نہ سپہر، ص ۱۶۴۔

[2] مثنوی نہ سپہر بمبئی ایڈیشن، ص ۱۰۱۵ - ۱۶۴   [3] مثنوی نہ سپہر، ص ۱۷۲ - ۱۶۶۔

Marfat.com

رہا، یہاں کے لوگ دوسری جگہوں کی زبان سیکھ کر بول سکتے ہیں، مگر دوسری جگہ کے لوگوں کی زبان، یہاں کی زبان بولنے میں سل جاتی ہے، دوسرے ممالک کے لوگ یہاں کے علوم سیکھنے کے لیے آئے مگر ہندوستان کے لوگ علوم سیکھنے کے لیے کہیں اور نہیں گیے، ہندسہ، ریاضی اور ایجاد صفر یہاں کی خاص چیزیں ہیں، کلیلہ دمنہ جیسی کتاب کہیں اور نہیں لکھی گئی، شطرنج یہیں کی ایجاد ہے، کلیلہ دمنہ اور شطرنج کی مقبولیت دنیا میں ہوئی، یہاں کی برتری کو برقرار رکھنے میں یہاں کی موسیقی کو بڑا دخل ہے، یہاں کی موسیقی کو جو ترقی ہوئی وہ کہیں اور نہیں ہوئی، یہاں کی موسیقی سے جنگل کے ہرن بھی بے جان ہو جاتے ہیں، آخر میں خسرو ہندوستان کی فضیلت میں اپنے کو بھی شمار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ اس کا جیسا ساحر شاعر چرخ کہن نے کہیں اور نہیں پیدا کیا ہے،

حجت دہ آنکہ چو خسرو بہ سخن ساحر گری نیست نہ چرخ کہن

زبانوں میں سنسکرت کی برتری کا اعتراف

اپنی وطن دوستی میں یہاں کی مختلف زبانوں میں عربی، فارسی اور ترکی کے علاوہ ہندوی، سندھی، لاہوری، کشمیری، کبری، دھور سمندری، تلنگی، گجری، معبری، گوری، بنگالی، اودھی اور سنسکرت کا بھی ذکر کرتے ہیں[1] لیکن ان سب میں سنسکرت کو افضل تر بلکہ فارسی سے بھی برتر قرار دیا ہے البتہ عربی سے اس کو بہتر نہیں سمجھتے ہیں، مگر اس کی شیرینی کو فارسی کے برابر ہی تسلیم کیا ہے،

آنست زبانے بہ صفت دردری (سنسکرت) از عربی کمتر و بر ترز دری
گرچہ کہ شیرینست دریں و شکریں ذوق عبارت کم ازاں نیست دری[2]

ہندوستانی جانوروں کی تعریف

امیر خسرو کو ہندوستان کی ہر چیز پیاری رہی، تو پھر یہاں کے جانوروں کی طرف

---

[1] مثنوی نہ سپہر، ص ۸۰ - ۱۷۹ [2] ایضاً ص ۱۸۱ -

Marfat.com

ان کی پیاری نگاہیں کیوں نہ جاتیں، ان کے اوصاف بیان کرنے میں بھی ان کے وطنی جذبات خوب اُبھرے ہیں، لکھتے ہیں، کہ یہاں کے طوطے آدمی کی طرح بول سکتے ہیں، مینا یہاں کا خاص پرندہ ہے، جو کہیں اور نہیں پایا جاتا۔ یہ بھی آدمی کی طرح بول سکتا ہے، یہاں کے کوے مستقبل کی خبریں دیتے ہیں، یہاں کی گوریائیں بھی پوشیدہ باتوں کی خبر دیتی ہیں، یہاں کے طاؤس میں حسن کی ایسی رعنائی ہے، یہاں کے بگلے تھوڑی سی تربیت کے بعد عجیب و غریب کرتب دکھاتے ہیں، یہاں کی بکری ایک پتلی لکڑی پر چاروں پاؤں رکھ کر کھڑی ہوجاتی اور رقص کرتی ہے، یہاں کے بندر اپنی عقل میں ناقص بشر کی حد تک ہیں، یہاں کے ہاتھی بظاہر حیوان ہیں، لیکن عمل میں انسان ہیں، وغیرہ وغیرہ۔[1]

ہندوستان کے جادوگروں کی تعریف

خسرو کی توجہ ہندوستان کے جادوگروں کی طرف بھی ہوئی[2]، لکھتے ہیں، کہ یہاں کے جادوگر مُردوں کو زندہ کرسکتے ہیں، سانپ کے کاٹے ہوئے مُردوں کو چھ مہینے کے بعد بھی زندگی دے سکتے ہیں، یہاں عمر بھی بڑھائی جاسکتی ہے، یہاں کے جوگی حبس دم کی مشق کرکے دو سال تک زندہ رہ سکتے ہیں، یہاں کے ابر میں بارش بھی روکی جاسکتی ہے، وغیرہ وغیرہ، یہ باتیں عمل میں آتی یا نہ آتی ہوں، مگر خسرو ہندوستان کی بڑائی بیان کرنے میں یہ سب کچھ جوش و خروش میں لکھ سکتے ہیں۔

ہندو عورت و مرد کے جذبۂ وفاداری کا احترام

خسرو اپنے ہم وطن ہندو عورت اور مرد کی اس خوبی سے متاثر تھے، کہ وہ اپنے شوہر کی خاطر اپنے کو جلاکر راکھ کرسکتی ہیں، اور مرد اپنے بت اور آقا کی خاطر جان دینے میں دریغ نہیں کرتے، ان کی اس وفاداری کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے خسرو

---

[1] مثنوی نہ سپہر، ص ۱۹۱ - ۱۸۱ -

[2] مثنوی نہ سپہر، ص ۹۳ - ۱۹۱ -

Marfat.com

لکھتے ہیں، کہ اسلام میں ایسی چیز یں جائز نہیں لیکن شریعت اجازت دیتی، تو وہ اس وفاداری کی سعادت کو حاصل کرنے کی تلقین کرتے[1]۔

ہندوستانی حکمراں کے طبقہ کی ذمہ داریاں

ایک محب وطن کی حیثیت سے خسرو کی نظریں اس ملک کے حکمراں طبقہ کی طرف بھی اُٹھی ہیں، ان کی دلی خواہش یہی رہی، کہ اس ملک کے بادشاہ، حکمراں، لشکری اور عام باشندے اپنی سیرت و کردار، اخلاق و اطوار میں اچھے سے اچھے ہوں۔ اسی لیے وہ بادشاہ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں، کہ وہ دیندار ہو، اس کی ہر رائے محکم ہو، جو کچھ کہے اس پر عزم و سکون کے ساتھ عمل کرے، کسی کام میں غفلت کو راہ نہ دے، انصاف پسند ہو، ظلم کی آواز اس کے کانوں میں نہ پڑے، خواص و عوام کی آسودگی کا خیال یکساں طور پر رکھے، تاکہ جنگل اور محل کے رہنے والے دونوں خوش رہیں[2]، امراء کو مخاطب کرکے کہتے ہیں، کہ اگر ان کو خدا کو خوش رکھنے کا خیال غالب رہے گا، تو وہ اپنے ملک کے بادشاہ کو بھی خوش رکھ سکتے ہیں، حقیقی مالک کی اطاعت گذاری ہی سے دنیاوی مالک کی فرماں برداری آسکتی ہے[3]، وہ ہندوستانی لشکریوں میں بھی اچھے سے اچھے اوصاف دیکھنا چاہتے تھے، اس لیے ان کو بھی یہ نصیحت کی، کہ وہ مذہبی بن کر فوج کی خدمت انجام دیتے رہیں، غارت گری اور ناموری کے لیے نہ لڑیں، رعایا کی کھیتی کی حفاظت ہر حال میں کریں، خون جگر سے کاشتکا جو چیز تیار کرتے ہیں، ان کو اپنے گھوڑوں کے پیٹ میں جانے دیں[4]۔

اچھے ہندوستانی کے اوصاف

پھر ایک اچھے ہندوستانی کے یہ اوصاف بتاتے ہیں، کہ وہ سچے، خوشخو، نیکوخواہ ہوں، غصے میں دیوانے نہ بن جائیں، دیانت اختیار کریں، خیانت سے ادبار آتا

---

[1] مثنوی نہ سپہر، ص ۹۵ - ۱۹۴ -

[2] مثنوی نہ سپہر، ص ۲۹ - ۲۲۸ [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۵۸ - ۲۵۶ -

Marfat.com

ہے، حسد اور بخل سے بڑھ کر کوئی اور برائی نہیں[1]۔

وطن کے علاقے کی تعریف

امیر خسرو ہندوستان کی محبت کا راگ اپنی زندگی کے آخر وقت تک الاپ
رہے، ان کا آخری دیوان نہایۃ الکمال ہے، اس میں حمد، نعت اور منقبت
ساتھ حسب معمول سلاطین اور شہزادوں کی شان میں قصیدے ہیں، لیکن ان
جہاں بھی موقع ملا ہے، وہ اپنی وطنیت کے ساز پر اپنی محبت کے نغمے بلند کر
رہے ہیں، دیوگیر کا ذکر آگیا ہے دہلی سے دور دراز حصہ میں واقع تھا لیکن ان
وطن کا علاقہ ہو گیا تھا، اس لیے اس کو مصر اور بغداد پر فضیلت دے دی ہے
پھر شاعرانہ انداز میں کہہ گیے ہیں، کہ مصر نے اس کی شہرت سُن کر گویا رشک و حسد
میں جامہ اُتار کر نیل میں پھینک دیا ہے، اس کی ہوا میں مسیحائی اور پانی میں آب ح
کی تاثیر بتائی[2]، یہاں کے پھولوں، خوشبوؤں اور پرندوں سب کی ہی تعریف
یہاں کے پھلوں کا ذکر کرتے ہوئے کیلے کے متعلق لکھا کہ ہلال کی طرح خم اور رعنا
طرح خوشگوار ہوتے ہیں، آموں کو شہد اور دودھ سے بھرے ہوئے سنہرے ڈ
سے تشبیہ دی، یہاں کے پان کی بھی تعریف کی[3]، دیوگیر کے کپڑے کی مدح میں اپنے شا
تخیل کو پورے طور پر بروئے کار لے آئے ہیں، کہتے ہیں، اگر چاند کی جلد کوئی
اس سے علحدہ کردے، اور پھر اسی جلد سے دیوگیر کے کپڑے کا موازنہ کیا جائے تو
کپڑا اپنی باریکی میں بڑھ جائے گا، اس کا ایک سوگز سوئی کے ناکہ میں سماسکتا ہے
سے لباس بنا کر پہنا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ بدن پر صاف شفاف پانی پڑ رہا ہے۔

چہ وصف جامہ کنم کانچناں نباشد اگر
زمہ بسلخ گشد پوست اختر
بہ چشم سوزن صد گز نہ گنجد از پس لطف
درو بجیلہ خرد لوک سوزن پود

---

[1] مثنوی نہ سپہر، ص ۶۵ - ۲۶۳ [2] نہایۃ الکمال، ص ۵۱ - ۵۰ [3] ایضاً ص ۵۲ -

Marfat.com

بسان قطرۂ آبے تواستن گفتن اگر
چکد ز چشمہ خورشید قطرہا معتاد[1]

دیوگیر کی موسیقی کے بھی وہ فریفتہ ہوئے، اس کی تعریف میں لکھتے ہیں، کہ یہاں کی جنگ کی آوازسے زہرہ بھی نالہ وفریاد کرسکتی ہے اور یہاں کے نغمہ سے مُردے بھی زندہ ہوسکتے ہیں،

دگر سرود چناں کز خراش بر زخمہ — چو چنگ خویش کند زہرہ نالہ وفریاد
عجب نباشد اگر مردہ زندہ گردد ازاں — کہ لفظ در دل نغمہ جاں باز نہاد[2]

ہندوستانی موسیقی سے محبّت

خسرو اپنی مثنوی نہ سپہر میں لکھتے ہیں کہ ہندوستانی موسیقی ایک آگ ہے، جو قلب اور روح دونوں کو جلاتی ہے، اور دوسرے تمام ممالک سے بہتر ہے، وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہندوستانی موسیقی صرف آدمیوں کو نہیں، بلکہ جانوروں کو بھی مسحور کردیتی ہے[3]، ہرن کو اس کے ذریعہ سے مسحور کرکے شکار کرلیا جاتا ہے، وہ ایرانی طرز موسیقی سے بھی واقف تھے، لیکن اپنی وطنی محبت میں ہندوستانی موسیقی سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے، اور جب ان کے اور دوسرے ہم مذہب ایرانی طرز کے گانے سننے میں مشغول تھے، تو انھوں نے ہندی راگ اور ایرانی راگ راگنیوں کو ملاکر نئے راگ پیدا کرکے اس میں ایک خاص کیفیت پیدا کی، ان ہی کی طرف مجیر، منم، زلیف، سازگری، ایمن، عشاق، موافق، غنم، فرغنہ، سراپردہ، باخرز، فرودست اور محرم منسوب ہیں، راگ درپن کے مصنّف کا خیال ہے کہ مجیر غار اور ایک فارسی راگ سے مرکّب ہے، منم میں کلیان کے ساتھ ایک ایرانی راگ شامل ہے، سازگری میں پوربی، گوری، کنگلی اور ایک فارسی راگ کا امتزاج ہے، زلیف میں کھٹ راگ کو شہ ناز سے ملایا ہے، ایمن میں ہنڈول اور بزیز ملے ہوئے ہیں، سارنگ، بسنت اور نوا کے راگ ہیں، موافق میں

---

[1] نہایۃ الکمال، ص ۵۲ - ۵۱ [2] ایضاً ص ۵۲ [3] نہ سپہر، ص ۷۲ - ۱۷۱

Marfat.com

ٹوڑی، مالوی، درگا اور حسینی ملے ہوئے ہیں، غنم میں پوربی کو ذرہ تغیر کر دیا گیا ہے، فرغنہ میں کنگلی اور گوری کو ملایا ہے، باخرز میں ویسکاں کے ساتھ ایک ایرانی راگ ہے، سراپردہ میں سارنگ بلاول اور راست کو مرکب کیا ہے، فرودست میں کانڑا، پوربی اور ایک ایرانی راگ کا امتزاج ہے، اور ٹوڑی اور عراق کو ملا کر محرم بنایا گیا ہے'

(راگ درپن قلمی نسخہ دارالمصنفین اعظم گڈھ)

بادشاہ نامہ کا مصنف عبدالحمید لاہوری لکھتا ہے، کہ ہندوستان میں خسرو سے پہلے گیت، چند، دھرپد، اور راستت گائے جاتے تھے، لیکن خسرو نے خاص خاص چیزیں ایجاد کیں، ان میں چار کے نام اس نے خاص طور سے لیے ہیں، (۱) قول جس میں فارسی اور عربی کے اشعار ہوتے ہیں، جو ایک سے چار تال پر گایا جاتا (دوسری چیز کا نام لیے بغیر وہ لکھتا ہے، کہ اس میں فارسی اشعار ترانہ کے ساتھ ایک تال پر گائے جاتے، شاید یہ قلبانہ ہو) ترانہ اس میں اشعار نہیں ہوتے تھے، لیکن ایک تال پر گایا جاتا (۴) خیال[1]۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خیال حسین شاہ شرقی کی ایجاد ہے لیکن کچھ ارباب فن ایسے بھی ہیں، جو خسرو کو خیالوں کا نائک کہتے ہیں، اور خیال کی ایجاد ان ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں، امیر خسرو کے زمانے میں سنسکرت میں دھرپد زیادہ گایا جاتا، جو زیادہ تر ہندوؤں کی مذہبی روایتوں پر مبنی ہوتا، مسلمان دھرپد کو تقدس اور اس کی کلاسیکی اہمیت سے پورے طور پر لطف اندوز نہیں ہو سکتے تھے اس لیے قرین قیاس یہی ہے، کہ امیر خسرو کے اختراع پسند ذہن نے دھرپد کی جگہ خیال ایجاد کیا، آل انڈیا ریڈیو کی سابق ڈائرکٹر اف میوزک ڈاکٹر سمتی مٹاٹکر کا بیان ہے، کہ قوالی کی چلنت بولوں اور رجزیات سے خیال وجود میں آیا، اس لحاظ سے بھی خیال امیر خسرو ہی کی ایجاد سمجھی جا سکتی ہے، کیونکہ قوالی بھی امیر خسرو ہی کی اختراع ہے، قوال تو امیر خسرو ہی کو اپنا ابوالآباء سمجھتے ہیں، قوالی میں غزل کا حصہ

---

[1] بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری، ص ۵-۶۔

Marfat.com

موسیقی کا روپ اور ارباب دل کا کیف شامل ہوتا ہے۔ امیر خسرو غزل گو تھے، موسیقی کے ماہر بھی تھے اور صاحب دل بھی تھے، اسی لیے قوالی کی ایجاد کے لیے وہی موزوں ہو سکتے تھے، عام روایت یہ بھی ہے کہ خسرو نے ہندوؤں کے دنیا اور ایرانی طنبورہ کو ملا کر ستار کی ایجاد کی، دسویں صدی سے پہلے کسی نہ کسی شکل میں ابشائے کوچک، ایران، آرمینیا اور ترکستان میں ستار ضرور موجود تھا اور یہ بیرونی ملکوں ہی سے ہندوستان پہنچا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی مشہور رہے، کہ پہلے ستار میں چار تار ہوا کرتے تھے، مگر خسرو نے اس میں تین تار اور بڑھا دیے اور اس کا نام ستار پڑ کر خسرو کی طرف منسوب ہو گیا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ طبلہ بھی امیر خسرو ہی کی ایجاد ہے[1]، قوالی کی ڈھولک کی ایجاد بھی عام طور سے ان ہی کی طرف منسوب کی جاتی ہے،

وطنی محبت کے جذبے میں امیر خسرو ہندوستانی عورتوں کے گیت سے بھی متاثر ہوئے اور خود ان کے جذبات کا اظہار اپنے ہندی گیتوں میں کرنے لگے۔ شادی بیاہ کے موقع پر جو گیت اور بابل گائے جاتے ہیں، ان میں سے بہت کچھ امیر خسرو کی طرف منسوب ہیں، محمد حسین آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں، کہ دلی بلکہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں رسم ہے کہ عام عورتیں برسات کی بہار میں کھم گڑواتی ہیں، درخت ہو تو اس میں جھولا ڈلواتی ہیں۔ مل مل کر جھولتی ہیں۔ اور گیت گا گا کر جی خوش کرتی ہیں، ان میں شاید ہی کوئی عورت ہو جو یہ گیت نہ گاتی ہو،

آجھوں نہ آوے سوامی ہو
اے ہو جو پیا آون کہہ گیے
آون آون کہہ گیے
آئے نہ بارہ ماس
اے ہو جو پیا آون کہہ گیے

یہ گیت امیر خسرو کا ہے اور برو ارا گ میں لے بھی ان ہی کی رکھی ہوئی ہے،

---

[1] اسلامک کلچر حیدر آباد، جنوری ۱۹۵۵ء۔

Marfat.com

محمد حسین آزاد یہ بھی لکھتے ہیں، کہ موسیقی میں امیر خسرو کی طبیعت ایک بین تھی، کہ بن بجائے پڑی بجتی تھی، اس لیے دھرپد کی جگہ قول قلبانہ بنا کر بہت سے راگ ایجاد کیے، کہ ان کے اکثر گیت آج تک ہندوستان کے مردوں اور عورتوں کی زبان پر ہیں، بہار راگ اور بسنت کے میلے ہی نے ان کی طبیعت سے رنگ پکڑا ہے، بین کو مختصر کر کے ستار بھی ان ہی نے نکالا ہے[1]۔

خسرو کے بسنت کے گیت کی روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے، کہ اون کے مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے ایک بھانجے مولانا تقی الدین تھے، جن کو حضرت خواجہ بہت محبوب رکھتے تھے، ان کا انتقال عین شباب میں ہو گیا، حضرت خواجہ کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا، چھ مہینے تک ان پر مہر سکوت طاری رہی، اس سے امیر خسرو بھی مغموم رہتے تھے، وہ برابر اس فکر میں رہتے تھے، کہ کس طرح مرشد کا غم غلط ہو، اس زمانہ میں ہندوؤں کا بسنت کا میلہ تھا، وہ دہلی میں کالکا جی کے مندر پر سرسوں کے پھول چڑھا رہے تھے، اور مست ہو کر گیت گا رہے تھے، امیر خسرو بھی اس منظر کو دیکھ کر بے خود ہو گئے، فارسی اور ہندی کے چند اشعار اسی وقت موزوں کیے، سرسوں کے پھول توڑے اور پگڑی کو کج کر کے مستانہ شان پیدا کی، جھومتے جھامتے اشعار پڑھتے، حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو اس وقت اپنے بھانجے کے مزار پر تھے، امیر خسرو کی مستانہ ادا دیکھ کر اور ان کے اشعار سن کر مسکرانے لگے، پھر تو امیر خسرو کا کام بن گیا، اس روز سے دہلی میں جب ہندو کالکا جی کے مندر پر جاتے تو دہلی اور قرب وجوار کے صوفیہ قوالوں کو لے کر کنول کے پھول ہاتھوں میں لیے اشعار پڑھواتے ہوئے مولانا تقی الدین کے مزار پر جاتے، وہاں سے حضرت خواجہ کے مزار پر آتے ہیں، ان اشعار میں ایک شعر یہ بھی ہے،

اشک ریز آمدست ابر بہار ساقیا گل بریز و بادہ بیار

قوال ہندی کی ٹھمریوں کو پڑھ پڑھ کر اسی شعر کو بار بار دہراتے ہندی کا ایک مصرع یہ ہے،

---

[1] آب حیات، ص ۶۶۔

Marfat.com

عرب پار توری بسنت منائی

یہ پڑھا جاتا، تو بڑا اثر پیدا ہوتا، رفتہ رفتہ دہلی کی درگاہوں میں پندرہ دن تک بسنت میلہ رہنے لگا، دوسری جگہوں میں بھی مسلمان بسنت منانے لگے بسنت کے موقع پر امیر خسرو کا ایک گیت ان کی طرف اس طرح بھی منسوب ہے،

حضرت کھاجہ سنگ کھیلے دھمال
بائیس کھاجہ مل بن بن آبوتا ہیں حضرت رسول صاحب جمال
حضرت کھاجہ سنگ کھیلے دھمال
عرب پار تیرو بسنت منائیو سدا رکھے لال گلال
حضرت کھاجہ سنگ کھیلے دھمال[1]

موسیقی سے متعلق خسرو کے اپنے بیانات

موسیقی اور ہندوستانی موسیقی سے خسرو کی دلچسپی کا ذکر گذشتہ صفحات میں ثانوی ماخذوں اور سینہ بہ سینہ روایتوں سے کیا گیا ہے جس کو بعض اہل نظر اس لیے قبول کرنا پسند نہیں کرینگے کہ یہ معاصر ماخذوں پر مبنی نہیں ہیں خود خسرو نے موسیقی کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے اب وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

خسرو کے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ میں ان کا ایک شعر یہ ہے ؎

نظم را کردم سہ دفتر در بحر برآمدہ
علم موسیقی سہ دیگر بود از باور بود

اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ انھوں نے علم موسیقی پر بھی تین جلدیں لکھی تھیں لیکن "بود" کے لفظ سے ظاہر ہے کہ یہ ان کی زندگی ہی میں ضائع ہوگئی تھیں یا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر باور کرو تو شاعری کی طرح موسیقی پر بھی وہ "تین دفتر" لکھ سکتے تھے، لیکن وہ لکھ نہ پائے شاید اس لیے کہ ان کو فرصت نہ ملی ہو یا اس لیے کہ اس فن پر اس زمانہ میں کچھ لکھنا عزت کی چیز نہیں سمجھی جاتی تھی، یا اس لیے کہ موسیقی اور مزامیر کو راسخ العقیدہ علماء پسند نہیں کرتے اس لیے خسرو یہ ان کا خوف غالب رہا ہو یا اس لیے کہ ان کو موسیقی سے شغف اپنے

[1] پورتن امیر خسرو کی ہندی شاعری از ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی میں درج ہے صفحہ ۱۲۹

Marfat.com

دل کے اندر عشق الٰہی کے جذبات کو اُبھارنے کی خاطر ہوا ہو مگر ان کے یہ جذبات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی صحبت میں بیدار ہو چکے تھے، اس لیے موسیقی پر زیادہ لکھنا ضروری نہیں سمجھا ہو، پھر بھی اپنی مشہور کتاب اعجاز خسروی میں موسیقی پر سترہ صفحے لکھ گئے ہیں، لیکن یہ پوری کتاب ان کے مسجع مقفیٰ اور مرصع نگاری اور صنائع و بدائع کے آرٹ سے کچھ ایسی دب گئی ہے کہ اب ان کے آرٹ سے تو لطف لیا جا سکتا ہے، مگر وہ کیا کہنا چاہتے ہیں، اس کا سمجھنا مشکل ہے اسکو وہی ارباب ذوق سمجھ سکتے ہیں جو اس قسم کی نثر نگاری کے قدر دان ہیں، اس میں موسیقی پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا سمجھنا بھی آسان نہیں، اگر سمجھ لیا گیا ہوتا تو پھر ثانوی ماخذوں کا سہارا لینے کی ضرورت نہ ہوتی پھر بھی جو کچھ سمجھا جا سکتا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ نغمہ سرائی اور مزامیر کے فن میں استاد کامل ہی نہیں بلکہ کامل الزمان تھے۔

خسرو کے شاہی آقاؤں کے دربار میں موسیقی کی جو نرم آرائی ہوتی تھی، اس کی مرقع درائی سے وہ اپنی اس کتاب میں موسیقی کے باب کو شروع کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ یہاں کے ترنم سے زہرہ کے چنگ کا ترنم بیکار ہو جاتا ہے، یہاں کے دف کی آواز سے آفتاب کو آگ میں جھونک دیا جاتا ہے، یہاں کے نای کے زمزمہ سے ارباب ذوق کو زمزم راحت پہونچ جاتا ہے، یہاں کے دمدمہ سے اصحاب عشرت کی روح کو شراب مل جاتی ہے۔ شادروان (ایک قسم کی نوا) کی نواہائے آئین سے آنسوؤں کے موتی نکل پڑتے ہیں، سرود کے نغمہ شیریں کی حلاوت سے فرشتہ بھی اس میں اس طرح پھنس جاتا ہے جس طرح مکھی شہد میں پھنس جاتی ہے۔ حجازی (ایک قسم کا نغمہ) کے قول اور محیر (ایک دوسرے قسم کا نغمہ) کی آواز جب عرب تک پہنچتی ہے تو بغداد اور مصر کے گانے والے کی زبان زخمہ چوب بن جاتی ہے یعنی خاموش ہو جاتی ہے اور جب فارسی کی غزل گائی جاتی ہے تو بار بد بھی انگشت بدنداں ہو جاتا ہے (اعجاز خسروی رسالہ ثانیہ ص ۲۷۴، ۲۷۵)

میرا خیال ہے کہ خسرو دربار شاہی میں اور ماہرین فن کے ساتھ اپنی موسیقی کا جو کمال دکھاتے تھے، اس کی بھی یہ مرقع آرائی ہے کیونکہ وہ اپنے تمام معاصر سلاطین کے ہم نشین رہے اور ان کو اپنے ہر قسم کے کمالات دکھا کر اپنا گرویدہ بنائے رکھا، اسی کتاب میں ایک جگہ

Marfat.com

ہے:

"زین المجالس کمال الزمان، بدر الدولۃ والدین جلیس الملوک انیس السلاطین امیر الشادی والطرب ——"

یہ خسرو کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا، اپنی آواز کے متعلق تو صاف کہتے ہیں:

آواز ما کہ در بلندی از زخمہ زہرہ بگذرد، اگر چہ خراشیدہ شود اما بیفقد فرو شکند (الیفاً ص ۲۸۷)

اپنی آواز پر فخر کرتے ہوئے یہ شعر بھی کہا ہے:

بعد از من اگر گوش نہی بر سر خاکم — از خاک ہمہ نغمہ داؤد بر آید

اپنے ہاتھ اور سانس پر ناز کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کا ہاتھ بربط اور انگلیاں رباب کی طرف بڑھتی ہیں اور ان کی سانس صرف بانسری کے لیے ہے۔

دست شان پیش کاسہ بربط خوش گشود، و انگشت شان بر پوست کاسہ رباب خویش دراز گردد، و نفس جز بر نائی خویش نکشاید

(الیفاً ص ۲۸۱-۸۲)

وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ دار السلطنت اور اطراف ممالک کے اصحاب طرب اس خزینۃ النوادر (یعنی ان کی ذات) کو اپنے مصالح کی خاطر ان کو آمر یعنی حاکم جانتے ہیں، اور اس کے حکم کی عزت کو شرعی اور طبعی طور پر تسلیم کرنا اپنا فرض جانتے اور اپنے گانے کے اصول اور فروع کی روایات اور اشارات کو اس کے سامنے پیش کرتے ہیں اور جو راہ اختیار کیے رہتے ہیں اس سے واپس ہو کر اس کے اقوال اور اعمال کے پابند ہو جاتے ہیں۔

می فرمائیم کہ اصحاب طرب حضرت و اطراف ممالک آمر مصالح خویش مرسومات و معہودات را دبلے ہیچ نزانہ تو بدون شدے بہ بدو کار کنان و گذارند و بہر راہی کی ہست باز گشت باقوال و اعمال او کنند

(الیفاً ص ۲۸۲)

Marfat.com

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ صاحب قول اور اہل سماع علمار کی برکت سے اصول الشعیب کو اپنا کران کے جیسے کمال الزماں کی نوازشوں سے استفادہ کرتے رہے اوران سے دف اور جنگ سیکھ کرنالہ اور ترانہ گاتے اوران کے جیسے عندلیب کے نغمے کو سن کرصوفیوں کومست کرتے ہیں۔

بحرمتہ علمار صاحب قول واہل سماع دوست سازندہ
بشعیب اصولی کہ ہموسنہ مست نواز شہائے
کمال الزمان ست، خدمتی کریست را چنبر دف گرداند
سلامے کہ بسر نگوفی چنگ باز خواند، با ہزاراں نالہ
بہ شوق وترانہ قطعش اداہی کندد در تمنائی سماع
نوائی آں عندلیب گلستان سورے بنفشہ دارگوش
برگذرباد داشتہ سراندازی مستانہ صوفیانہ می نماید
ایضاً ص ۴۸)

وہ یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ جب وہ بربط بر باخزرو فرغانہ گاتے ہیں اور بجاتے ہیں تو ان کی آواز سن کر گانے والے کان پکڑ کران کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔

گو مندہ چنداز جانب باخزرو فرغانہ کہ آوازہائے
بربط کمال الزماں آنجاہا در گوش ایشاں رسیدہ
است، ایشاں راگوش گرفتہ ایں طرف کشیدہ رسیدہ
اند (ایضاً ص ۴۸)

وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ چنگ بجانے والے ان سے جو کچھ سیکھ لیتے ہیں پھر کسی اور طرف راغب نہیں ہوتے۔ اس کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح ادا کرتے ہیں:

مطربیکہ پیش او دقیقہ ہائے جو دگندم خنگ موی
بہ موی شعر بپیر کند نانش در گرمی ہائے مجلس چنبال

Marfat.com

پختہ گردد کہ ہرگز دستش بذلات مطربان نیالاید

(ایضاً ص ۲۸۰)

موسیقی میں پردہ کے فن کو سکھانے کا دعویٰ یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ وہ ان کے پاس آکر پردہ کے بارہ میں گفتگو کرکے اس کے اندر کی باتیں جان سکتے ہیں جو اس فن سے متعلق سب کچھ جانتے ہیں، پھر وہ ان کے یعنی خود خسرو کے راز کو معلوم کرسکتے ہیں۔

در پردہ راز ما ہر کہ این قدرے داند
شاید اگر او با ما در پردہ سخن راند

ایضاً ص ۲۸۰

ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ ان کی مجلس سے طرح طرح کے نئے نغمے رائج ہوئے۔

(ایضاً ص ۲۸۰)

دراز مجلس ما بر دنو نوائے
رساند نوائے بدان بے نوایاں

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی ہر انگلی میں لاکھوں ہنر ہیں، وہ رباب دونوں ہاتھوں سے بجاتے ہیں اور ایک ہاتھ سے بھی اور جب قوال گاتے ہیں تو وہ خود یعنی خسرو تالی بجانے میں تو ان تالیوں سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔

بر سر ہر انگشتی صد ہزار ہنر دارم در رباب دو دستہ
توانیم زد بلکہ یکدستہ ہم، و قوالانی کہ می گفتند

کہ چون دو دست را برہم زنیم ہزار داستان
را کنجشنک دست آموز خود سازیم (ایضاً ص ۲۹۰)

وہ اپنے زمانہ کے مشہور گویوں میں امیر کنجشنک کی اولاد محمد شاہ مرغک محمود جوزہ اور دوسرے عندلیب نغمہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

می باید کہ کلمہ بہ کلمہ ساختہ و پرداختہ ازیں طرف
آیند و خدمت امیر الطیور کہ یک ذات او برابر
سیمرغ است (ایضاً ص ۲۹۰)

Marfat.com

اس سے ظاہر ہے کہ ماہرین فن ان کے یہاں حاضر ہوتے رہے، وہ کنجشک مرغک اور چوزہ کی مناسبت سے اپنے کو امیر الطیور کہتے ہیں اور اپنے کو فن کا سیمرغ قرار دیتے ہیں:

اپنے زمانہ کی ترمتی خاتون کو عزیزہ الدول یعنی حکومت کی محبوبہ کہتے ہیں، لکھتے ہیں کہ وہ گاتی تو سلیمان کے پرندوں کو شکار کرتی بلکہ دنیا کو شکار کرنے والی تھی، گاکر عنقا کو اپنے پنجہ میں کر لیتی، قمری کے جگر کو چھیل دیتی، اس کا نغمہ عنادل کے دل کا رنج بن جاتا، بلبل خون کے آنسو روتے، چکاوک بجاتی تو کنجشک مغنی کے سر کو اپنے پنجہ میں لے لیتی اور گاتی تو محمد شاہ مرغک مر کر زندہ ہو جاتا وہ شاہی دربار کی امیر مطربان بھی بنا دی گئی، خسرو اس کے استاد تھے، لکھتے ہیں:

"وبرا سوئی نواخت شاہانہ راہ دادیم" (ایضاً ص ۲۷۹)

وہ خواجہ لطیف قوال کا بھی ذکر کرتے ہیں، اور اس کے فن کی تعریف یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ اس سے مریضوں کو شفا ہوتی ہے اور اس کی آواز زہرہ تک پہونچتی ہے۔

(ایضاً ص ۲۹۱)

اپنے زمانہ کے ماہرین گانے والوں کی تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں (۱) کلاونت ہندی (۲) گویندگان غزلہائے فارسی، (۳) قوال، کلاونت ہندی کے گانے کے تعریف یہ لکھ کر کرتے ہیں کہ وہ غمزدہ لوگوں میں خوشی کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں:

"کلانوتان ہندی را کہ از تار الا دن عبد المومن را
زنار بندانند برہنجی باعث باشند کہ ہردم بہ یک مجلس
دار بند وانہ سورے در دل اصحاب شیون رسانند"
(ایضاً ص ۲۸۰)

پہلے ذکر آیا ہے کہ فارسی کی غزلیں گائی جاتیں تو بار بدبھی انگشت بدندان ہو جاتا سماع کو اقوال مقبول قرار دیتے ہیں، وہ خود دستک اور ضرب دست کے ماہر تھے۔ ——— وہ موسیقی کے فن کی اصطلاحات پر بھی روشنی ڈالتے ہیں، لکھتے ہیں:

Marfat.com

"اصول منحصر برچہار است پردہ بر دوازدہ وابریشم
برشش وما بقی فروعیست (ایضاً ص ۲۸۰)"

یعنی موسیقی کے تین ضروری اجزا ہونے ہیں اصول، پردہ، ابریشم، بقیہ فروع ہیں، اصول چار، پردہ بارہ، اور ابریشم چھ ہوتے ہیں، ان کی باریکیوں کو تو ماہرین فن سمجھیں گے، لیکن پردے کی جو بارہ قسمیں بتائی ہیں ان کے نام یہ لکھے ہیں :

(۱) زنگولہ (۲) حجاز (۳) رہاوی (۴) حسینی (۵) عشاق (۶) راست (۷) بسالیک (۸) نوا (۹) زیر بزرگ (۱۰) زیر خرد (۱۱) عراق (۱۲) اصفہان اور ان کے حسب ذیل فروع بتائے گئے ہیں (۱) خراسان (۲) نہاوند (۳) مخالف (۴) بحیر (۵) زاول (۶) باخرز (۷) فرغانہ (۸) نوائے چکادک (۹) بانگ بلبل (۱۰) نثار درداں مروارید (۱۱) راحت روح (۱۲) نوازن، (۱۳) آواز ہا ان کے ساتھ طرق سکی، دوبجرہ اور یجرہ بھی تھے۔

ان میں سے بعض نغموں کی تعریف اور تصریح اپنی مثنوی قران السعدین میں بھی کی ہے (ص ۱۸۰-۱۸۱) مثلاً لکھتے ہیں کہ حسینی سے اس کا پردہ عمدہ طریقہ پر ظاہر ہوتا ہے

گہ بہ حسینی طرفے رود زن پردہ کشا گشتہ بوجہ حسن

نوازن سے گانے والے میں دنیا کی جان پڑتی ہے۔

گہ ز نوازن کہ نوازندہ گشت جان جہانے بنوازندہ گشت

بوسلیک سے دل ایسا ہو جاتا ہے جیسے موتی ریشم کے دھاگے میں جالے

گاہ برآوردہ نوا بوسلیک دل شدہ چو در بریشم سلیک

اگر کوئی نہاوند کو غلط گاتا تو ان کو دکھ ہوتا کوئی باخرز کو اچھی طرح گاتا تو ان کو خوشی ہوتی، کہتے ہیں کہ عراق گایا جاتا تو فراق کے سوختہ دلوں کے اندر سے فغاں بلند ہو جاتا

گہ چو دل سوختگانِ فراق نالۂ فغاں کردہ براہ عراق

کہتے ہیں اگر مخالف اچھی طرح گایا جاتا تو مخالف بھی دوست بن جاتے

Marfat.com

گر ز مخالف کہ نوازندہ ساخت　　دوست بگشت ار چہ مخالف نواخت

کہتے ہیں کہ راست کے گانے سے عاشقوں کے دل میں تیر چبھنا

بر دل عاشق کہ یہ کشتن سزاست　　راست چو تیر آمدہ تیزی راست

پھر کہتے ہیں زاول (زابل) نیزہ زنی کا کام کرتا، باحرز سے عقل کی راہ کھلتی، زنگانہ یعنی زنگولہ کبھی نفیر کے ذریعہ سے بھی بلند کیا جاتا، وغیرہ وغیرہ

(قران السعدین ص ۱۸۲-۱۸۱)

اسی قران السعدین ص ۱۸۲، میں انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ سازگری کو عراق اور اصفہان سے ملا کر نیا آہنگ اور نغمہ پیدا کیا ہے۔

زمزمہ سازگری در عراق　　کردہ باہنگ عراق اتفاق

سازگری را ہمہ خواہاں شدند　　نغمہ او تا بہ سپاہاں شد

یہ مثنوی ان کے ابتدائی دور کی تصنیف ہے۔ اس لیے سازگری عراق اور سپاہان کے امتزاج کا ذکر ہے بعد میں اسی قسم کا امتزاج اور کرتے رہے

اعجاز خسروی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ مخالف کے ذریعے سے راست کا نغمہ کیسے پیدا ہوتا ہے، بوسلیک اور نوا گاکران کی شناخت کیسے کرائی جا سکتی ہے رہاوی اور حسینی کو ملا کر اور پھر علیحدہ علیحدہ کس طرح گایا جا سکتا ہے، نہاوند اور عشاق کیسے ملایا جا سکتا ہے۔

"مخالف را در چہ طریق نوازند کہ راست آید بوسلیک

دنوا کہ مشابہ یک دیگر اند پردۂ ہر دو از چہ وجہ باید

گرفت کہ یکے را از دیگر بتواں شناخت، در ہاوی

و حسینی کہ ہمسایہ اند میان ایشاں چہ پیدا باید کرد

کہ از یک دیگر جدا شوند، و نہاوند را بیشتر آہنگ

عشاق بدوست از دل چگونہ برآرند کہ در جان

فرود آید" (ص ۲۸۸)

Marfat.com

اسی طرح وہ سہ بجری کو چنگ کے ذریعہ سے دو بجرہ زیر بزرگ کو زیر خرد اور زیر خرد کو زیر بزرگ میں تبدیل کر دیا جانتے تھے۔

"سہ بجری چنگ را بہ روش دو بجرہ داشتن و زیر
بزرگ را چگونہ نشکنند کہ خرد گردد و زیر خرد را کدام جانب
پرشش دہند کہ بزرگی گشتہ ــــــــــــ"

وہ اس کا بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ سلاطین کے دربار میں رہ کر موسیقی کے شعبوں میں طرح طرح کی چیزیں دریافت کرتے رہے۔ جو دیکھی نہیں گئی تھیں، وہ ان کو یعنی راگ راگنیوں کو جدا کر دیتے اور پھر ملا دیتے اس طرح ابریشم کی باریکیوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے ان کا فرق دکھلاتے، اور ان کو پھر ملا کر نئی چیز دریافت کرتے۔

"در بساط مجالس کبار سلاطین شعبہ ہائے بہم در بافتہ
کہ از پردہ گل تنگ غرصہ تر اندیدم چون باد صبا
یکے را از یکے بے آسیب جدا کردہ و غنچہ وار باز بہم
پیوستہ درمیان ابریشم ہای چو موئے باریک
بزخمہ کہ مانند دندانہ شانہ موشگافت ست موئے
ز موی فرق کردہ باز درہم یافتہ (الیفاً ص ۲۶)

اپنے زمانے کے مختلف سازوں میں چنگ، مسلک، نوالک، دف، قانون، رباب، عود، نای، پنجہ رباب، پنجہ چنگ، نای دست، طنبور، شہنائی، بالک شہنائی، بالک سلک، دم سرنا، دمدمہ، نے، تمبیرہ ہندی، دل، غازی، زلک (ڈھولک)، دم سرنائے وغیرہ کے ذکر کرتے ہیں اور ہر ایک کی خوبی اس طرح بتاتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان سازوں کے بجانے میں ان کو مہارت تھی۔ قران السعدین کے اشعار (ص ۲۷۱) سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے چنگ بجانے میں بہت سے ہنر پیدا کئے، اس کے سینکڑوں بال سے باریک فن کو گوندھ کر اس میں چند رسن یعنی تار لگائے، شاید چنگ ہی یا ان کی کسی اختراع کی طرف اشارہ ہے اور اس فن میں تیس دن اور تیس رات محنت بھی کی گئی یا یہ ستار کی طرف

Marfat.com

تو اشارہ نہیں ہے؟

چنگ سرافگندہ سرافراختہ   موئے بموئیش بہنر ساختہ
یک شبہا ہے زسر انگیختہ   سی شب وسی روز در آمیختہ
صد فن باریک چو مو بافتہ   زاں ہمہ مو چند رسن تافتہ

کاسہ رباب کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بڑا دل نواز ساز ہے' یہ دل کو لوٹ لیتا ہے پھر واپس کر دیتا ہے' اس کی نبض کو پکڑ لو تو پھر کوئی رنج نہیں اور اس کے پردہ کو باندھو تو پھر کوئی چیز مستور نہیں (ص ۱۷۸)

کاس رباب از شعب دل نواز   بردہ دل از مردم و جاں دادہ باز،
نبض بگیرند شش در بخور نے   پردہ بہ بندند شش و مستور نے

بانسری کے بارہ میں کہتے ہیں کہ اچھا بجانے والا سر کو جدا کر کے پھر جوڑ دیتا ہے اس کے بجانے میں ہاتھ کی انگلیوں میں ہزاروں ہنر ہوتے ہیں (ص ۱۷۹)

مطرب گیرا نفس وسحر ساز   سرزنش کندہ و پیوستہ باز
کردہ بہر دستے از آواز تر   زیر ہر انگشت ھزاراں ہنر

دف کے بارے میں کہتے ہیں (ص ۱۸۱-۱۸۰)

برکف مطرب ز اصول لطیف   گاہ ثقیل آمدہ گاہے خفیف
گہ زمی لرزہ کند پوستش   کاتش خورشید بود دوستش
گاہ ز خشکی چو شود گرم تاب   تر دہد آواز نخواہد جز آب

بربط کے بارہ میں کہتے ہیں کہ اس کی آواز سے مشکل کشائی ہوتی ہے اور اس کے نغمہ کے زیر و بم سے حسینی گایا جاتا ہے۔ (ص ۱۸۲)

بستگی بربط مشکل کشائے   جاتے کشادہ زپے لبست ہائے
نغمہ چو در زیر و بم آہنگ برد   زیر کشیدہ بہ حسینی سپرد

اعجاز خسروی میں ہے کہ وہ شاہی مطرب کو چنگ اور رباب غلط بجاتے سنتے تو ان کو تکلیف ہوتی اور وہ چاہتے کہ ان سازوں کے لطیف نغمے بلند ہوں اور کہتے کہ وہ

Marfat.com

آئیں اور یہ ان سے سیکھیں۔

"مطربان بادشاہ را ہم آوازہا شنودہ ایم کہ
بیشتر چوں تار نخستین چنگ بیش گوشہ نشینان معطل
اند و مانند ابریشم سر انگشتر رباب سرائیدگان
بیکار ماندہ سرنائے از گرفت چنگ خبر ندانند در انگشتے
از گیرائی رباب شان علم نہ ایشان را علم می باید
داد کہ بساخت سازہائے مشکل و نغمہ ہائے لطیف
پیش آیند۔

ہر کرا اندر ہنر دستی ست کو بہ نمائے دست
ورنہ ما دستش نمائیم آں چناں کافتد ز پائے
(ص ۲۸۹)

وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان سازوں میں جو خرابی پیدا ہو جاتی تھی ان کو دور کر کے
صحیح بھی کر لیتے تھے۔ لکھتے ہیں:

"وصحت و علت مزامیر نیکو دانیم کہ چوں چنگ
از سفیدی اندام سر افگندہ اندو نای کہ کشکش
از نفخ آواز دید و مسکک کہ از دمش در نالیدن
آید و نوالک کہ تنگی نفس گلو گیرش کند و کوتنگی
دف کہ از حرارت مدقوق گردد اصلاح ہر یک
بچہ طریق باید کرد و گرفتن نبض رباب و زدن
رگ بربط چناں بر قانون حکمت دریافتہ ایم
کہ بیمار را طبیب شفا توانیم شد"
(رسالہ ثانیہ ص ۲۰۶)

ترجمہ: مزامیر کی صحت اور بیماری سے اچھی طرح واقف
ہوں جب چنگ اپنے جسم کی سفیدی کی وجہ سے

سر جھکا دیتا ہے جب نائی اپنے شکم کے نفخ ہونے
کی وجہ سے آواز دیتا ہے اور جب مسک کے
سانس سے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے اور
جب نوالک کی آواز اس کی تنگی نفس کی وجہ سے
گلوگیر ہو جاتی ہے اور جب دف مدقوق حرارت
میں مبتلا ہو جاتا ہے تو میں جانتا ہوں کہ ان
کی اصلاح کس طرح کی جا سکتی ہے، میں نے اس
بات کی بھی دریافت کی ہے کہ رباب کی نبض اور
بربط کی رگ کس طرح پکڑی جا سکتی ہے اور اس کے
لیے ایسے قانون حکمت دریافت کیے ہیں کہ بیمار کے
لیے طبیب بن گیا ہوں۔"

خسرو نے تشبیہ اور استعارے کا سہارا لے کر جو باتیں کہی ہیں ان کو سادہ آسان الفاظ میں کہہ دیتے تو پتہ چلتا کہ چنگ، نائی، مسک، نوالک اور دف وغیرہ کی خرابیوں کو دور کرنے میں کیا جدتیں کیں، اور ان جدتوں سے وہی اختراعات تو عمل میں نہیں آئیں جو اس وقت ان سے منسوب ہیں۔

پھر بھی اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ موسیقی کے فن میں وہ کمال الزماں تھے اسی لیے ان کے دوست ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ:

"وہ گانے اور راگ وغیرہ ایجاد کرنے کے فن میں کمال رکھتے تھے، موزوں اور لطیف طبیعت سے جس فن کو بھی نسبت ہے اس میں ان کو اللہ تعالیٰ نے سرآمد روزگار پیدا کیا تھا ان کا وجود عدیم المثال تھا" (ص ۳۵۹)

Marfat.com

ان کے پیر بھائی سیر الاولیاء کے مصنف نے بھی لکھا ہے:

"در علم موسیقی کمال داشت" (ص ۵۰۸)

راقم موسیقی کے فن اور اس کی باریکیوں سے واقف نہیں اور امیر خسرو کی مشکل عبارتوں کو سمجھ کر جو کچھ لکھا ہے اس میں محض علمی و تحقیقی ذوق کو دخل ہے لیکن جو لوگ موسیقی کے فن سے واقف ہیں اگر وہ اعجاز خسروی کا گہرا مطالعہ کریں تو خسرو کے کمالات اور اختراعات سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے۔

فن موسیقی پر لکھتے وقت خسرو کا وطنی جذبہ بھی بیدار رہا اس لیے لکھتے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے کہ یہاں فارسی غزلیں ساز پر گائی جاتی ہیں تو ایرانی ماہر فن انگشت بدنداں ہو جاتا ہے اور یہاں کے حجازی، قول اور مجیر کے نغمے بغداد اور مصر کے گویندگان سنتے ہیں تو ساکت و صامت ہو جاتے ہیں (اعجاز خسروی رسالہ ثانیہ ص ۲۷۶) وہ حکماء کے روم شکل سازان عرب و عجم (ص ۲۸۰) بیرونی ماہرین میں المومن، (ایضاً ۲۸۰) داود جلی خراسانی (ایضاً ص ۲۸۵) اور شعبان قمری (ایضاً ص ۲۸۵) کا ذکر کرتے ہیں مگر اپنے وطنی جذبہ میں کہتے ہیں کہ طنبور بجانے اور سازگری کے گانے کے فن میں ہندوستان اتنا اونچا ہو کہ بیرونی مخالفوں کا طنبور اور سازگری کے حریف کا ساز بیکار ہو جائے۔

..... ایشاں را جز زخمہ خاص جرح نتوانند
کرد، چناں می باید ساخت کہ آن طائفہ
مخالف از تختہ بند طنبور زار لال نہادہ
شود

چناں بر زخمہ زدن رود لبستہ آواز
کہ ہم سازگری خصم را کنی بے ساز

(ایضاً ۲۸۹)

Marfat.com

وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ہندوستان کی بہار کے مرغ یعنی یہاں کے ماہرین موسیقی کو سن کر باہر کی قمریاں یعنی وہاں کے ماہرین دوست ہو جاتے ہیں۔

کہ تا درست شود قمریان بالا را
کہ مرغ چوں بود اندر بہار ہندستاں
(ایضاً ۲۹۰)

ہندی زبان سے محبت

امیر خسرو نے اپنی وطنی محبت کی بنا پر یہاں کی زبان ہندی نہ صرف سیکھی بلکہ اس میں مہارت پیدا کی، اور فخر کے ساتھ کہا کہ وہ ہندوستان کے ترک ہیں ہندی بول سکتے ہیں، وہ مصری نہیں، کہ عربی میں گفتگو کریں،

ترک ہندوستانیم من ہندوی گویم جواب
شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن[1]

اور یہ بھی کہ وہ طوطی ہند ہیں، ان سے کوئی ہندی میں سوال کرے تو وہ میٹھی ہندی میں بول سکتے ہیں،

چو من طوطی ہندیم راست پرسی — ز من ہندوی پرس تا نغز گویم[2]

وہ اپنی عبارتوں میں جہاں کہیں بھی ہندی الفاظ خوبصورتی سے استعمال

---

[1] دیباچہ غرۃ الکمال نیز دیکھو دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو از ڈاکٹر وحید مرزا، ص ۳۶ - ۲۲۷ [2] دیباچہ غرۃ الکمال نیز دیکھو دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو از ڈاکٹر وحید مرزا، ص ۳۲ - ۲۲۷۔

Marfat.com

کرسکتے تھے، کرتے رہے، وہ خود کہتے ہیں، کہ وہ ہندی میں اشعار کہہ کر اپنے دوستوں میں تقسیم کرتے رہے، مگر انھوں نے ان کا کوئی مجموعہ تیار نہیں کیا، یہ زیادہ تر تفریحی اشعار تھے، جن کو انھوں نے محفوظ رکھنا ضروری نہیں سمجھا اب بہت سے ہندی اشعار ان کے نام سے منسوب ہیں، جن کے متعلق یہ شبہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ ان کے واقعی ہیں بھی کہ نہیں وہ بلند پایہ اشعار بھی نہیں، البتہ ان کی تصنیف خالق باری کے متعلق یہ یقین ہوتا جا رہا ہے کہ یہ ان کی تصنیف ہے گو یہ بھی شک وشبہ سے خالی نہیں اس کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ فارسی جاننے والے بڑے اور بچے ہندی سے بھی واقف ہوں، یہ کتاب خسرو جیسے عبقری شاعر کے لیے مایہ ناز نہیں ہو سکتی، مگر یہ کوشش اس لحاظ سے اہم ہے کہ رفتہ رفتہ ہندی اور فارسی کی آمیزش سے ایک ایسی زبان بھی تیار ہوئی جس کو اردو کہا جانے لگا، خسرو کی کچھ ایسی بھی زبان کی غزلیں مشہور رہیں، جن کا ایک فقرہ ہندی اور دوسرا فارسی میں ہے، اسی لیے بعض ارباب نظر ان کو اردو شاعری کا موجد اور اس کے صنم خانے کا پیر مغاں قرار دیتے ہیں،

خسرو نے اپنی وطنی محبت میں یہاں کے بچوں کی تفریح طبع کے لیے بہت سی پہیلیاں اور مکرنیاں بھی لکھیں، جو آج بھی لوگوں کی زبان پر ہیں، یہاں کی لڑکیوں کی دلچسپی کے لیے کچھ گیت لکھے، ان سب کو ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی نے اپنی کتاب "امیر خسرو اور ان کی ہندی شاعری" میں ان کی خالق باری کے ساتھ بوجھ پہیلیاں، بن بوجھ پہیلیاں، کہہ مکرنیاں، دوسخنے نسبتیں، غزل، دوہے، آنکھ کا نسخہ بسنت ساون کا گیت، ڈھکوسلا وغیرہ کے عنوانات سے ایک جگہ جمع کر کے ایک مفید کام انجام دیا ہے، معلوم نہیں اس میں وہ بابل کیوں نہیں شامل کیے گیے ہیں، جو خسرو سے منسوب ہیں یہ چیزیں سامنے آگئی ہوتیں تو فیصلہ ہو سکتا تھا کہ کیا چیزیں ان کی ہو سکتی ہیں، اور کیا محض ان کے نام سے منسوب ہو گئی ہیں

تتمہ

خسرو نے اپنی فارسی شاعری میں اپنی وطنیت کا جو راگ الاپا ہے، وہ ایک مستقل پیام ہے کہ ہم جس ملک میں پیدا ہوتے ہیں، اور جہاں نشوونما پاتے ہیں،

Marfat.com

اس کا تقاضا ہے کہ اس کی ہر چیز کو محبوب رکھیں اس کا ہر شہر اس کے باشندے، اس کی آب و ہوا، اس کی زبانیں، اس کے علوم و فنون، اس کی عورتوں کا حسن، اس کے پھول، پھل، جانور اور حتیٰ کہ اس کے جادوگر اور نٹ بھی محض اس لیے عزیز ہوں کہ یہ وطن کے ہیں، وہ اپنی مذہبیت میں اپنی مثال آپ رہے، ان کے سینہ کے سوز عشق الٰہی پر خود ان کے مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو فخر رہا، اسی کے ساتھ اپنی وطنی محبت کو اپنے ایمان کا جزو بنائے رکھا، انھوں نے مذہبیت کے جام شریعت اور وطنیت کے سندان عشق کی حسین آمیزش سے باہمی محبت یگانگت، مفاہمت اور اتحاد ذہنی کی جو جوت جگائی اس سے ان کی ذات اس روشنی کا ایک بلند مینارہ ہے، کہ مذہب کی راسخ العقیدگی، دوسروں کے مذہبی عقائد کے احترام میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتی، مذہب کی پابندی اور عمل میں سچا اخلاص ہو تو یہی سچائی دلوں میں فراخ دلی پیدا کرسکتی ہے، جس سے دلوں کی تسخیر آسانی سے ہوسکتی ہے،

امیر حسن سجزی اور دہلی

امیر خسرو کے قلبی دوست امیر حسن سجزی اپنی غزل گوئی کی وجہ سے ہندوستان کے سعدی کہلائے، ان کے یہاں امیر خسرو کی طرح ہندوستان یا اس کے علاقہ کی مدح سرائی میں وہ فراوانی نہیں، جو امیر خسرو کے یہاں ہے مگر انھوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھ دیا ہے، وہ اپنی کیفیت میں کم نہیں، وہ بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے بڑے چہیتے مرید تھے، ان ہی کے حکم سے دہلی چھوڑ کر دولت آباد گئے، جہاں پہنچ کر ان کو دہلی کی یاد بہت ستاتی رہی، وہ دہلی کو حسینوں کا شہر، حوروں کی بہشت سمجھتے رہے، یہاں کے دوستوں کی یاد سے بے چین رہے،

میرس کز غمِ فرقت چگونہ مخمور ۔۔۔ نہ دوست دور تواں باشد و نہ چنداں دور

کجاست حضرت دہلی و خوبرویانش ۔۔۔ یکے بہشت درون و برون او پر حور

اگرچہ عیشی افتاد بر طریق حجاز ۔۔۔ دلے بر اہل محبت ہنوز است حضور

دہلی کے دوستوں کو یاد کرکے کہتے ہیں، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ : : وے مدام مست

Marfat.com

گم ہو گیے، اب وہ کہاں ڈھونڈنے جائیں۔

حسن بگوے علام گم شد ندیار انت — بگو نشان چنیں گم شدہ کجا یابند

حسن سنجری اور دولت آباد

مگر جب دولت آباد کو اپنا وطن بنا لیا، تو یہاں کے شاندار محلوں اور روح پرور نظاروں کی تعریف میں اسی طرح رطب اللساں ہو گیے جس طرح دہلی کے بتے کہتے ہیں،

زہے خرم بنا ے دولت آباد — کہ ہم بر پاے دولت یافت بنیاد

فلک گرد از عالی بارگاہی — ستارہ کیست ایں جا بار خواہی

مروح منظرے فرخ مقامے — در استحکام دزیباے تمامی

چو ایوان قمر از روشنائی — چو دوران فلک در دیر پائی

دولت آباد کے لیے دعا کرتے ہیں، کہ اس کو وہی سب کچھ حاصل رہے جو آسمان کو حاصل ہے،

خداوندا زمیں ایں مکاں را — بدہ قدرے کہ دادی آسماں را

ناگور کا حسن

ناگور سے ایک عاشق و معشوق پر ایک مثنوی لکھی ہے، جس میں ناگور سے متعلق رقم طراز ہیں۔ اس کی سرزمین خط معشوق کی طرح دلکش ہے، اور اس کا پانی عاشقوں کے آنسوؤں کی طرح ہے،

سوادش چو خط معشوق دلکش — در و آبے چو عاشقاں دشس

یہاں کے حسینوں کے بارے میں گوہر افشانی کرتے ہیں، کہ ان کی پیشانی چاندی کی طرح چمک دار، ان کی باتیں چنبیلی کے پھول کی طرح دکھائی دیتیں، وہ ماہتاب کی طرح نظر نہیں آتیں، بلکہ آفتاب کی طرح معلوم ہوتیں،

زنان سیم سیماے سمن ساق — نہ چوں مہ بل چو خورشید از نہاں طاق

گانوں کی عورتوں کو کنوئیں سے پانی بھر کر جاتے ہوئے دیکھا تو کہتے ہیں کہ عقل کو لوٹتی ہوئی چل رہی تھیں، دلوں کو مسخر کر رہی تھیں، اور سرو کی طرح سنجک تھیں۔

Marfat.com

همه ساله بر آں چه آمدندے   خرد آشوب دل خواه آمدندے

چو آب از چاه بیروں بر کشیدند   چو سروے سوے خانه می خمیدند

ایک ہندو دوشیزہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں،

بت ہندو نسب چوں ترک خوں ریز   بلب شکر بہ غمزہ شورش انگیز

اس کو پہاڑی کبک کہہ کر کہتے ہیں، کہ اس کی رفتار کو دیکھ کر اور اس کی گفتار کو سُن کر بہشت کی حوریں بھی اس کی کنیز ہو جائیں،

چہ کبکے از کدامیں کوہساری   کہ چوں رفتار و خوش گفتار داری

بہشت ہا ہمہ حوراں غلام است   اگر حورے بہشت تو کدام است

وہ سو کر اُٹھتی ہے، تو اس کو دیکھ کر کہتے ہیں، کہ ایسا معلوم ہوا کہ چاند پر سے بادل ہٹ گیا۔

بت ہندو سرشت از خواب برخاست

نقاب ابر از مہتاب برخاست

عصامی اور ہندوستان

امیر خسرو نے وطنی محبت کی جو شمع روشن کی، اس کو ان کے بعد دوسرے فارسی شعراء نے بھی فروزاں رکھا، چودھویں صدی میں عصامی ایک بہت ہی مشہور شاعر گذرا ہے، وہ دہلی میں ۱۳۱۱ء میں پیدا ہوا، اس کا دادا عزالدین عصامی سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۸۶ - ۱۲۶۶) کے عہد میں سپہ سالار تھا، سلطان بن محمد تغلق (۱۳۵۱ - ۱۳۲۵) دہلی سے دولت آباد دار السلطنت منتقل کیا، تو عزالدین عصامی بھی اپنی پیرانہ سالی میں اپنے پوتے کو لے کر دہلی سے دولت آباد چلا گیا جہاں پہنچ کر کچھ دنوں کے بعد عصامی علاء الدین حسن شاہ بہمنی کے دربار سے وابستہ ہو گیا، اور یہیں اس نے ۱۳۵۰ء میں غزنویوں، خلجیوں اور تغلقوں کا ایک شاہ نامہ فتوح السلاطین کے نام سے لکھا، جس میں بارہ ہزار اشعار ہیں، اس میں جا بجا ہندوستان کی مدح بھی کرنا چاہتا ہے، مثلاً کہتا ہے، کہ ملک ہندوستان کی رونق کیسی اچھی ہے، اس بوستان پر جنت کو بھی رشک آتا ہے۔ ص ۶۹ - ۵۶۸ -

Marfat.com

خوشا رونق ملک ہندوستان کہ جنت برد رشک ازیں بوستاں

پھر کہتا ہے، کہ اس کی سرزمین تمام روے زمین کے لیے زینت ہے۔ اسی طرح جیسے کسی نازنین کے رخسار پر تل ہو،

سوادش شدہ زیب روے زمیں چو خالے بہ رخسار ہر نازنیں

اس کی خاک سے سرخ گندھک پیدا ہوتی ہے، اور اس کے چاروں موسم کی ہوا بہشت کی ہوا ہے،

چو کبریت احمر در خاک کشت بہ ہر چار فصلش ہوائے بہشت

یہاں کوئی بھی دی (جاڑے کے پہلے مہینے) میں پوستین نہیں پہنتا ہے اور کسی کو بھی تموز میں (جب آفتاب برج سرطان میں رہتا ہے) یہاں پسینہ نہیں آتا ہے،

درو پوستیں کس نپوشد بہ دی کہ کس در تموز اندر د کرد خوی

یہاں قدم قدم پر جوئبار (ندیاں) ہیں، جن کا پانی آب حیات سے بھی زیادہ بہتر اور صحت مند ہے اور پھر یہ پانی آب حیات ہے، لیکن آب حیات کی طرح اس پر تاریکی چھائی ہوئی نہیں ہے،

رواں ہر قدم اندرو جوئبار بہ حیواں ہمہ آب او سازدار

شدہ آب او آب حیواں تمام ولیکن ز ظلمات بیروں مدام

یہاں کے موسم خزاں میں بہار کا لطف آتا ہے، یہاں اگر کانٹا بویا جاتا ہے تو پھول اگتا ہے

یہ فصل خزانش در آید بہار دمد گل درو گر بکارند خار

اس کی ساری مٹی میں گلاب ملا ہوا ہے اور اس کی نمی پر شبنم بادل کی طرح اثر کرتی ہے۔

سرشتہ ہمہ خاک او با گلاب درو شبنمے دادہ تفع سحاب

یہاں کے موسم میں باد سموم صبا بن جاتی ہے، اور زقوم (تھوہڑ کا زہریلا درخت) یہاں کی مٹی میں گندنا (ایک قسم کی سبزی) بن جاتا ہے۔

سموم اندریں باغ گردد صبا زقوم اندریں گل شود گندنا

یہاں کی صبح ہو یا شام ہو ہر وقت آدمی کے لیے یہ خوشی کی آرام گاہ ہے۔

بہ در صبح گاہ و چہ در شام گاہ درد آدمی را خوش آرام گاہ

یہ میووں اور پھولوں کی وسیع سرزمین ہے، درختوں کی شاخوں سے اس کی سرزمین

Marfat.com

ٹھنڈی اور سایہ دار رہتی ہے، اس کی خاک بوئے گل سے معطر ہے، اور اس کا پانی گلاب سے مقطر ہے:

کشایش ہمہ گلبن و میوہ دار　　زمیں سایہ دار سایہ از شاخسار
معطر شدہ خاکش از بوئے گل　　مقطر شدہ آبش از روئے گل

انسانیت کی اصل اسی کی خاک کی وجہ سے قوی ہوئی ہے، اور اس کی ہوا خوشگوار ہوتی ہے:

زخاکش قوی گشتہ اصل بشر　　زبادش شدہ خوش ہوائے سحر

جو کوئی بھی اس بوستان طرب میں عراق، عرب، عجم، سندھ اور دوسرے ملک سے آیا، اس کا دل اس اچھے ملک میں ایسا لگتا ہے، کہ اس کا مولد اس کو بہت کم یاد آتا ہے:

کسے کاندریں بوستان طرب　　رسید از عراقین و سند و عرب
چناں بست دل اندریں خوش بلاد　　کہ از مولد خود کم آورد یاد

دنیا کے بڑے بڑے سیاح کسی ایک جگہ ایک مہینہ سے زیادہ نہیں ٹھہرتے اور اگر وہ یکایک اس دیار میں آجاتے ہیں، تو سیاحت چھوڑ کر یہاں سکونت پذیر ہو جاتے ہیں، اور یہاں سے باہر کم جاتے ہیں اور اس ملک سے ان کو ایسا لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے، کہ ان کی جان بھی جائے تو دلگیر نہیں ہوتے۔

خیاں دیدگانے کہ گرد جہاں　　بگردند دائم سیاحت کناں
نہ بندند خاطر بہ ہیچ از دیار　　نگیرند ماہے بہ شہرے قرار
ہم اخر چو در ملک ہندوستاں　　در آیند ناگہ سیاحت کناں
سیاحت گذارند و ساکن شوند　　بروں زیں دیار دو من کم روند
چناں دل دریں کشور خوش دہند　　کہ دل بر نگیرند اگر جاں دہند

محمد بن تغلق کے عہد کا ہندوستان:

بعض مورخین محمد شاہ بن تغلق (۱۳۲۵ - ۱۳۵۱) کی اچھی تصویر پیش نہیں کرتے ہیں، لیکن اس کے دور کے ایک مورخ شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں اس کا اعتراف کیا ہے، کہ وہ بڑی فراست و نفاست کا بادشاہ گذرا ہے، اس نے دہلی میں حکومت کر کے دنیا پر اپنی فہم، دانش اور صوابدید کا سکہ جمایا۔ اس کے فہم و تدبر کی شہرت سے ہندوستان کا وقار بھی بڑھا، جس کے اضافہ کے لیے وہ بیرونی ممالک کے

Marfat.com

عاملوں، شاعروں، سیاحوں اور تاجروں کے ساتھ غیر معمولی تواضع کرتا، اور فیاضانہ زر پاشی سے کام لیتا۔ اور یہی لوگ اپنے ملکوں میں واپس جا کر ہندوستان کی عظمت کا نغمہ الاپتے رہتے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے، کہ اس سلطان کی سخاوت کی شہرت یمن، خراسان اور فارس تک پھیلی ہوئی تھی،

(ابن بطوطہ اردو ترجمہ، ص ۱۱۲)

اس کی سخاوت سے فیض یاب ہونے کے لیے دور دور سے لوگ آتے رہتے ابن بطوطہ کا بیان ہے، کاکا ذردن (شیراز کے پاس ایک شہر ہے) کا ایک ملک التجار پرند یز نامی آیا، تو سلطان نے اس کو کھمبایت کا شہر اس کی جاگیر میں دے دیا، پردیز کا ایک دوست شہاب الدین ہندوستان آیا، تو راستہ میں اس کا مال لٹ گیا، سلطان کو اس کی خبر ہوئی، تو اس نے منہروالا کے خراج میں اس کو تیس ہزار دینار دینے کا حکم دیا، اور جب شہاب الدین دارالسلطنت پہنچا، تو اس کو خزانے سے ایک لاکھ ٹنکے دیے گئے، اور پھر یہ حکم دیا گیا، کہ وہ ہندوستان کی بنی ہوئی چیزوں میں سے جو کچھ خریدنا چاہے، خریدے، اور جب تک اس کی خریداری جاری رہے، کوئی اور شخص کوئی چیز نہ خریدے، اور جب وہ واپس جانے لگا، تو اس کے ساتھ تین جہاز کیے گیے،

(ایضاً ص ۱۱۴)

ناصرالدین واعظ ترمذی اپنے وطن سے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ان کا وعظ سننے کے لیے سفید صندل کا منبر تیار کیا گیا، اور اس کی میخیں سونے کی منگوائی گئیں، اور اس کے اوپر ایک بڑا یاقوت لگوایا گیا، ان کو ایک زرین خلعت اور مرصع عمامہ بھی دیا گیا، جب انھوں نے وعظ ختم کیا، تو سلطان نے ان کو گلے سے لگایا، ہاتھی پر سوار کیا، اور خود اپنے امرا کے ساتھ آگے آگے پیدل چلا، ان کو خیمہ تک پہنچایا، جو ریشمی کپڑوں کا بنا ہوا تھا، اس کے اندر ایک طرف سونے کے برتن رکھے تھے، وہاں ایک تنور بھی تھا۔ جس میں ایک آدمی اچھی طرح بیٹھ سکتا تھا۔ دیگیں، رکابیاں، آبخورے، لوٹے وغیرہ بھی تھے، ایک سونے کے صندوق میں کتابیں بھی تھیں، جس کی میخیں چاندی اور سونے کی تھیں،

(ایضاً ص ۱۱۹)

Marfat.com

مولانا عبدالعزیز اردبیلی بڑے فقیہ اور محدث تھے، اپنے وطن سے سلطان کی خدمت میں تشریف لائے، تو ان کی بڑی خاطر تواضع کی گئی، ایک روز انھوں نے کچھ حدیثیں سنائیں، تو سلطان نے خوش ہوکر ان کی قدم بوسی کی، اور سونے کی تھالی میں دو ہزار اشرفیاں پیش کیں، (ایضاً ص ۱۲۰)

شمس الدین اندگانی فقیہ، حکیم اور شاعر بھی تھے، انھوں نے اپنے وطن سے آکر سلطان کی شان میں ایک قصیدہ سنایا، جس میں ۲۷ شعر تھے، سلطان نے ہر ایک شعر کے عوض میں ان کو ہزار دینار دیے، (ایضاً ص ۱۲۰)

مولانا عضدالدین شونکاری اپنے زمانے کے بڑے عالم و فاضل تھے، سلطان نے ان کی شہرت سنی تو دس ہزار روپیے ان کے وطن بھیجے، اسی طرح قاضی مجدالدین دلی استرآبادی کو بھی ان کے وطن دس ہزار روپیے بھجوائے، برہان الدین ساغرجی اپنے زمانے کے بڑے مشہور واعظ تھے، اپنی سخاوت کی وجہ سے مقروض رہتے تھے، سلطان کو ان کے قرض کی خبر ملی، تو ان کے پاس چالیس ہزار دینار بھیجے۔

(ایضاً ص ۱۲۱)

امیر غیاث الدین محمد عباسیؒ بن عبدالقادر بن یوسف بن عبدالعزیز بن خلیفۃ المسلمین المستنصر باللہ عباسی ہندوستان آیا، تو سلطان نے اس کی ایسی پذیرائی کی، کہ ہندوستان کی تاریخ میں ایسی کسی اور کی نہ ہوئی ہوگی، اس کے آنے کی خبر سلطان کو ہوئی تو اس نے بطور زاد راہ تین ہزار دینار بھیجے، اور جب وہ سندھ کے پاس پہنچا، تو امراء اس کے استقبال کے لیے بھیجے گیے، اور جب وہ سرسہ آیا، تو صدر جہاں فقہا کے ساتھ اس کے استقبال کے لیے گیے، اور جب وہ مسعود آباد کے قریب آیا، تو سلطان اپنے امراء کے ساتھ اس کی پذیرائی کے لیے گیا، سلطان نے اس کو دیکھ کر زمین بوسی کی، پھر اس کے گھوڑے کے رکاب کو پکڑ لیا، شاہی چھتر اس کو لگایا، سلطان نے خود اپنے ہاتھ سے اس کو پان دیا، یہ تواضع کی آخری حد سمجھی جاتی تھی۔ دارالسلطنت پہنچنے سے پہلے ایک رات باہر مقیم رہا، اور جب دہلی میں داخل ہوا، تو اس کو سیری کے محل میں ٹھہرایا گیا، جو سلطان علاءالدین خلجی اور سلطان قطب الدین خلجی نے بنایا تھا، اس محل میں سونے اور چاندی کے ظروف رکھے گیے، ایک طلائی حمام بھی تھا، چار لاکھ دینار سرشوئی

Marfat.com

کے لیے بھیجے گئے۔ روزانہ خرچ کے لیے تین سو دینار مقرر ہوئے، باورچی خانے کے لیے غلّہ بھیجا جاتا، سیری کے تمام علاقے اس کی جاگیر میں دیے گئے، اس کے علاوہ سو گانوں اور عطا ہوئے۔ دہلی کے مشرقی مقامات کی حکومت بھی اس کو دی گئی، زرّیں زینوں کے ساتھ تیس خچّر بھی اس کے پاس بھیجے گئے، ان کا چارہ سرکاری گودام سے جایا کرتا تھا، مختلف اوقات میں اس کو اور بھی تحفے دیے گئے، جس کی تفصیل نظرانداز کی جاتی ہے، ایک بار وہ کسی بات سے آزردہ ہوگیا تھا، تو سلطان نے اس کا پانوں گردن پر رکھ کر معذرت کی، (ایضاً ص ۱۳۰ - ۱۲۵)

سلطان کی اس طرح کی اور بھی فیاضیاں رہیں، ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ پردیسیوں کے ساتھ سلطان کی مہربانیاں یمن، خراسان اور فارس میں گھر گھر بیان کی جاتیں، وہ اہل ہند پر ان کو ترجیح دیتا، ان کو جاگیریں، انعامات اور بڑے بڑے عہدے دیتا، اس کا حکم تھا، کہ پردیسیوں کو کوئی غریب (پردیسی) نہ کہے، بلکہ وہ عزیز کے لفظ سے پکارے جائیں، کیونکہ پردیسی کو پردیسی کہنے سے ان کی دل شکنی ہوتی ہے، ابن بطوطہ دہلی آیا، تو اس کو یہاں قضارت کا عہدہ دیا گیا۔ اور مختلف اوقات میں طرح طرح کی نوازشوں سے نوازا گیا،

ان فیاضیوں سے ہندوستان کی شہرت باہر کے ممالک میں بہت بڑھی، ابن بطوطہ (المتوفی ۱۳۷۸ء) نے عربی میں سفرنامہ لکھا ہے، تو اس میں جہاں ہندوستان کی تاریخیں لکھ ڈالی ہیں، وہاں اپنے زمانے کی دہلی کے سیاسی حالات لکھنے کے سلسلہ میں سلطان محمد بن تغلق کے خصائل، اس کے شاہی محل، اس کے دربار، عید کی نماز کے جلوس، عید کے دربار، خاصے کے دسترخوان، عام دسترخوان سلطان کی سخاوت، اس کی عدل پروری، احکام شرع کی پابندی نماز کی تاکید، قحط میں لوگوں کی پرورش وغیرہ کے کوائف کچھ ایسے موثر انداز میں لکھے ہیں، کہ اسلامی ممالک میں جب یہ سفرنامہ پڑھا گیا ہوگا، تو وہاں کے لوگوں کو ہندوستان کی اعلیٰ تہذیب، تمدن، اور یہاں کے سلطان کی مہمان نوازی اور تواضع پر رشک آیا ہوگا۔

مسالک الابصار اور ہندوستان:۔ اس زمانے میں بیرونی ممالک میں ہندوستان کی جو غیر معمولی عزت اور شہرت بڑھی، وہ وہاں کی بعض تصانیف خصوصاً مسالک الابصار فی ممالک الامصار

Marfat.com

اور صبح الاعشیٰ سے ظاہر ہوتی ہے، اول الذکر کا مصنف شہاب الدین ابو العباس احمد بن یحییٰ بن فضل اللہ العمری ہے، وہ حضرت عمر فاروق بن الخطاب کے خاندان سے تھا، اس لیے العمری لکھتا ہے،

اس کا سنہ پیدائش ۷۰۰ھ (۱۳۰۱ء) ہے، تعلیم حجاز، دمشق اور قاہرہ میں پائی، مصر اور شام میں مختلف عہدوں پر فائز رہا، زیادہ عمر نہیں پائی، ۷۴۸ھ (۱۳۴۸ء) میں وفات پاگیا، لیکن اسی عمر میں ایک مؤرخ اور جغرافیہ داں کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی، اس نے حضرت عمر فاروق رضؓ اور ان کے خاندان کے حالات چار جلدوں میں لکھے، اس کا اصلی علمی کارنامہ اس کی مسالک الابصار فی ممالک الامصار ہے، جو اس نے ۲۲ (یا ۲۷) جلدوں میں مرتب کی، یہ تاریخی اور جغرافیائی معلومات کی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے اس میں اس نے سلطان محمد بن تغلق کے عہد کے ہندوستان کے سیاسی، فوجی، معاشرتی اور علمی حالات لکھے ہیں، وہ ہندوستان نہیں آیا، لیکن ہندوستان سے جو سیاح اس کے پاس پہنچتا، اس سے یہاں کے حالات پوچھتا، اور ان کو قلم بند کرتا رہتا، اس طرح اس نے اپنی اس کتاب میں گیارہ سیاحوں کے نام لیے ہیں، جن سے اس نے ہندوستان کے حالات دریافت کرکے اپنے غیر معمولی حافظہ سے اپنی مذکورہ کتاب میں قلم بند کیے ہیں، اس کے اقتباسات ہم یہاں پر جستہ جستہ درج کرتے ہیں، تاکہ بیرونی ممالک میں اس وقت ہندوستان کی جو عظمت قائم ہوئی، اس کا اندازہ ہو۔

"ہندوستان ایک اہم ملک ہے، جس کا مقابلہ اس کے وسیع رقبے، اس کی بے شمار دولت، اس کی لاتعداد فوجوں، حضر، سفر میں اس کے سلطان کی شان و شوکت، اور اس کی سلطنت کی قوت و حشمت کے لحاظ سے دنیا کے کسی اور ملک سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے، میں یہاں کے متعلق نہایت حیرت انگیز خبریں سنتا اور کتابوں میں پڑھتا تھا، لیکن یہ ہم سے بہت دور تھا، اس لیے اس کی اصل حقیقت نہیں معلوم ہوتی تھی، مگر میں نے جب یہ کتاب لکھنی شروع کی، تو میں نے مستند راویوں سے متواتر تحقیقات کیں، میں نے جو کچھ سنا تھا، یا جو کچھ توقع کر سکتا تھا، اس سے کہیں زیادہ پایا، زیادہ لکھنا ضروری نہیں، صرف اتنا ذکر کرنا کافی ہے، اس ملک کے سمندر میں موتی پائے جاتے ہیں، اس کی زمین

Marfat.com

سونا اُگلتی ہے، اس کے پہاڑوں میں یاقوت اور ہیرے ہوتے ہیں، اس کی وادیوں میں عود اور کافور پائے جاتے ہیں، شہروں میں بادشاہوں کے تخت دکھائی دیتے ہیں، اس کے جانوروں میں ہاتھی اور گینڈے ہیں، یہاں کے لوہے سے ہندی تلواریں بنائی جاتی ہیں، یہاں لوہے، سیماب اور سیسے کی کانیں ہیں، بعض جگہوں میں زعفران بھی پیدا ہوتا ہے، اور بعض وادیوں میں بلور ہوتے ہیں، یہاں زندگی کی اچھی چیزوں کی فراوانی ہے، نرخ ارزاں ہے، لشکر بے شمار ہے، رقبے لامحدود ہیں، تمام قوموں میں ہندوستان کے لوگ اپنی نفسانی خواہشوں پر سب سے زیادہ قابو رکھتے ہیں، اور تقرب خداوندی کے لیے عبادت میں لگے رہتے ہیں، محمد بن عبدالرحیم القلینشی الغامی نے اپنی کتاب تحفۃ الالباب میں لکھا ہے، کہ یہ ملک بہت بڑا ہے، یہاں عدل و انصاف پورے طور پر ہوتا ہے، یہاں دولت کی کثرت ہے، حکومت کا نظام اچھا ہے، زندگی کی آسایش کا پورا سامان ہے، ایسا امن و امان ہے کہ اس میں کوئی خوف و خطر کا گذر نہیں، ہندوستان فلسفہ کی مختلف شاخوں طب، ریاضی اور دوسرے ہنر میں بڑے قابل ہیں اور ان میں ایسی مہارت رکھتے ہیں، کہ ان کی تقلید کرنا ناممکن ہے، ان کے پہاڑوں اور جزیروں میں عود، کافور، قسم قسم کے خوشبودار پودے جیسے لونگ، سنبل، الائچی، کباب چینی، دارچینی، قرفہ، سلیخہ، قاقلہ، جوتری، جائفل اور طرح طرح کی جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں، یہاں مشک والے ہرن، اور مشک بلاؤ بھی ہوتے ہیں، یہاں سے ہیرے بھی برآمد کیے جاتے ہیں،

ہندوستان بہت بڑا ملک ہے، اس میں نوے بندرگاہیں ہیں، جن کی آمدنی عطریات، ململ، دوسرے قسم کے کپڑوں اور خوبصورت چیزوں سے ہوتی رہتی ہے، یہاں ۲۲ صوبے ہیں، جن کے نام یہ ہیں، دہلی، دیوگیر، ملتان، کہرام، سمانہ، سیوستان، اوچ، ہانسی، سرسہ، معبر، تلنگانہ، گجرات، بدایوں، اودھ، قنوج، لکھنوتی، بہار، کڑہ، مالوہ، لہاور (لاہور) کلانور، جاج نگر، تلخ، دھور سمندر، ان صوبوں میں بارہ سو شہر ہیں، یہ سب آباد ہیں، اور وہ نظام حکومت کی اکائیاں ہیں، ان شہروں کے اندر جو گانوں ہیں

Marfat.com

ان کا صحیح نام بتانا مشکل ہے لیکن میری معلومات کے مطابق قنوج کے صوبہ میں ایک سو بیس لاکھ ہیں، ایک صوبہ میں ایک لاکھ گانوں ہوتے ہیں،

لکھنوتی میں دو لاکھ چھوٹے اور تیز رو جہاز ہیں جب کوئی تیر باز کسی جہاز میں تیر پھینکتا ہے تو جہاز کی تیز رفتار کی وجہ سے یہ تیر جہاز کے وسط میں رہ جاتا ہے، بعض جہازوں میں چکیاں، چولھے اور بازار بھی ہوتے ہیں۔ ملک کا دارالسلطنت پہلے دہلی تھا، اس کے بعد قبۃ الاسلام ہوگیا، جو دراصل دیوگیر ہے..... سلطان نے اس شہر کو آباد کرتے وقت اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا، اور ہر طبقہ کے لیے ایک علیحدہ محلہ قائم کیا، فوجوں کے لیے ایک علیحدہ محلہ تھا، پھر وزیروں، منشیوں، قاضیوں، عالموں اور صوفیوں، تاجروں، ہنرمندوں کے لیے علیحدہ علیحدہ حصے تھے، ہر حصہ میں ضرورت کے لحاظ سے مسجدیں، مینارے، بازار، حمام اور چولھے وغیرہ تھے، تاکہ خرید و فروخت کے لیے دوسرے محلوں کے محتاج نہ رہیں، ہر محلہ خود کفیل تھا.....

ہندوستان کی آب و ہوا معتدل ہے، یہاں کے موسم میں بہت زیادہ تبدیلی نہیں آتی ہے، یہ بہت زیادہ گرم اور نہ بہت زیادہ سرد ہے، ہر موسم تقریباً فصل بہار کی طرح ہوتا ہے، یہاں ہوائیں اور لطیف باد نسیم کے جھونکے چلتے رہتے ہیں، یہاں بارش چار مہینے تک ہوتی رہتی ہے.....

یہاں غلہ کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، گیہوں، چاول، جو، مٹر، مسور، ماش، لوبیا اور تل وغیرہ فول یعنی باقلہ یہاں نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ملک اصحاب حکمت و دانش کا ہے، اور فول عقل کے جوہر کو بیکار کر دیتا ہے، اس لیے صابیوں کے یہاں بھی اس کا کھانا ممنوع ہے، یہاں پھلوں میں انجیر اور انگور ہوتا ہے، انار بکثرت ہوتا ہے، جو میٹھے، کھٹے اور کڑوے بھی ہوتے ہیں، کیلا، شفتالو، گلگل، لیمو، کھٹا لیمو، سنترہ، سیاد، شہتوت، ایک خاص قسم کا انجیر، تربوز، ککڑی، زرد اور سبز قسم کے کھیرے اور خربوزے بھی چھوٹے قسم کے انجیر اور انگور بھی ہوتے ہیں، سفرجل یہاں بھی پایا جاتا ہے، اور باہر سے بھی درآمد ہوتا ہے ___ ناشپاتی اور سیب بھی نسبتاً کم پائے

Marfat.com

جاتے ہیں، یہاں بعض پھل ایسے بھی ہوتے ہیں، جو مصر، شام اور عراق میں نہیں ہوتے ہیں مثلاً آم، مہوا، لوکاٹ، لابا اور تفرک وغیرہ ناریل ہندستانی اخروٹ ہے اور اس کے اندر عرق ہوتا ہے، ہندوستانی املی دراصل حمار ہے، یہ جنگلی درخت ہے جو پہاڑوں میں بکثرت ہوتا ہے، ناریل اور کیلا دہلی میں زیادہ پائے نہیں جاتے ہیں، لیکن اس سے بڑے صوبوں میں بکثرت ہوتے ہیں، گنا پورے ملک میں بہت ہوتا ہے، اس کی ایک قسم سیاہ ہوتی ہے، جو دیکھنے میں بری معلوم ہوتی ہے، یہ چوسنے میں سب سے بہتر ہے، لیکن رس نکالنے میں ٹھیک نہیں ہوتی، گنے کی اور قسموں سے شکر تیار ہوتی ہے اور قند اور معمولی شکر کی طرح سستی ہوتی، یہ جم کر صاف نہیں ہوتی، بلکہ سفید آٹے کی طرح ہو جاتی ہے۔

اس ملک میں اکیس قسم کے چاول ہوتے ہیں، یہاں شلجم، گاجر، کدو، بادنجان، اسپرگس اور ادرک ہوتے ہیں، ترکاری جب ہری رہتی ہے، تو اسی طرح پکاتے ہیں جس طرح گاجر پکائی جاتی ہے اور یہ ایسی لذیذ ہوتی ہے کہ اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے، یہاں لہسن، پیاز، سویا، صعتر اور خوشبودار پھول جیسے گلاب، کنول، بنفشہ، پان، بید، نرگس، یاسمین، قبا، ناغبو، مہندی کا پھول، وغیرہ بھی ہوتے ہیں، تل کا تیل بھی ہوتا ہے، جو چراغ جلانے کے کام آتا ہے۔

زیتون باہر سے درآمد ہوتا ہے، شہد کی فراوانی ہے، موم صرف سلطان کے محل میں استعمال کیا جاتا ہے اور دوسرے لوگ استعمال نہیں کرتے ہیں، گھریلو جانوروں میں بھینس، گائے، بھیڑ اور بکری کی تعداد ہوتی ہے، مرغی، کبوتر، جنگلی اور پالتو کبوتر اور بط اور راہنس بھی ہوتی ہے، بیلو ہنس سے مشابہ ہے، یہ تمام جانور بہت ارزاں قیمت پر فروخت ہوتے ہیں،

مکھن اور دودھ کی مختلف قسموں کی اتنی فراوانی ہے، کہ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں، بازاروں میں مختلف قسموں کی غذائیں مثلاً کباب، چاول، پکی اور تلی ہوئی چیزیں، مٹھائیوں کی ۶۵ قسمیں، پھلوں کے عرق، اور

Marfat.com

شربت اتنے ہیں کہ کہیں دوسری جگہوں میں نہیں ہیں۔

اہل حرفہ میں تلواریں، نیزے، بھالے، زرہیں اور مختلف قسم کے ہتھیار بنانے والے سنار زرکش، زین ساز اور دوسری صنعتوں کے ماہرین ہیں، جو مردوں اور عورتوں کے لیے چیزیں تیار کرتے رہتے ہیں، .... ان کی تعداد گنی نہیں جا سکتی ہے،

دہلی میں بہت سے شہر تھے، جو ملا کر ایک کر دیے گیے ہیں، ان میں ہر ایک کے نام علٰحدہ علٰحدہ تھے، دہلی بھی اس کا ایک نام تھا، اب سب کو ملا کر دہلی کہا جاتا ہے، یہ طول و عرض میں بہت وسیع ہے، اور چالیس میل احاطہ کیے ہوئے ہے، اس کی عمارتیں پتھروں اور اینٹوں سے بنی ہوئی ہیں، چھتیں لکڑی کی ہوتی ہیں، لیکن اس کا فرش پتھر کا ہوتا ہے، جو سنگ مرمر کی طرح دکھائی دیتا ہے، مکانات دو منزلوں سے زیادہ کے نہیں ہوتے، بعض تو ایک ہی منزل کا ہوتا ہے، سلطان کے علاوہ کسی اور کے یہاں کا فرش سنگ مرمر کا نہیں ہوتا، یہ تو پرانی دہلی کا ذکر ہے،

اکیس شہر کو ملا کر جو شہر دہلی بنا اس کے تین طرف سیدھی قطاروں میں باغات ہیں، ہر قطار بارہ میل لمبی ہے، اس کے پچھم طرف ویرانی کی وجہ یہ ہے کہ یہ پہاڑی علاقے ہیں، دہلی میں ایک ہزار مدرسے ہیں، جن میں سے ایک شافعیوں کا ہے، بعض حنفیوں کے ہیں، یہاں ستر بیمارستان ہیں جو دارالشفا کہلاتے ہیں، دہلی اور اس کے اطراف میں خانقاہیں اور زیارت گاہیں ہیں، ان کی تعداد دو ہزار ہے، اس کے بازار بھی کشادہ ہیں اور یہاں بہت سے حمام ہیں، پینے کا پانی کنوئیں سے آتا ہے، جو سات ہاتھ کھود کر تیار کر لیا جاتا ہے، اور اس پر پانی کی چرخیاں لگا دی جاتی ہیں، بارش کا پانی بھی پیا جاتا ہے، یہ تالاب میں جمع کر لیا جاتا ہے، ہر تالاب کا قطر ایک تیر پرتاب یا اس سے کچھ زیادہ ہوتا ہے،

دہلی میں ایک مسجد ہے، جو اپنے مینار کے لیے مشہور ہے، یہ مینار اپنی بلندی اور اونچائی کے لحاظ سے دنیا کے کسی اور حصہ میں نہیں، .... یہ چھ سو درع

Marfat.com

دہلی میں سلطان کے محلات صرف اسی کے لیے ہوتے ہیں، جن میں اس کی حرم، کنیزیں اور خواجہ سرا رہتے ہیں، ملازموں اور غلاموں کے لیے علیحدہ علیحدہ مکانات بنے ہوتے ہیں، کوئی امیر یا خان اس کے ساتھ نہیں رہتا، وہ وہاں اپنے فرائض انجام دینے کے لیے آتے ہیں اور پھر اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، وہ دن میں دو بار صبح اور سہ پہر کو اپنے فرائض انجام دینے کے لیے آتے ہیں۔

سلطان کے دربار میں اسی یا اس سے زیادہ خواتین ہیں اس کی فوج میں نو لاکھ سوار ہیں، دیوان ان کے گذارے کا سامان کرتا ہے، اور سلطان ان کو انعام و اکرام سے نوازتا ہے، فوج میں ترک خطائی، ایرانی اور ہندوستانی ہیں، ان میں پہلوان بھی ہوتے ہیں اور درباری بھی، فوج میں ہر قوم اور ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں، ان میں ہر ایک کے پاس داغ کیا ہوا گھوڑا ہوتا ہے، ان کے اسلحہ بہت عمدہ ہیں، ان کے چہرے مہرے بھی اچھے ہوتے ہیں، امراء کی اکثریت فقہ سے واقف رہتی ہے، ان کے عقیدے مختلف ہیں، ہندوستان کے لوگ یعنی مسلمان عموماً امام ابوحنیفہ کے پیرو ہیں

سلطان کے پاس بیس ہزار ترک، غلام، دس ہزار خواجہ سرا، ایک ہزار خزانچی، ایک ہزار جوتے رکھنے والے اور دو لاکھ جلودار ہیں، جو ہتھیار سے لیس ہو کر سلطان کے آگے آگے چلتے ہیں، خان، ملک امیر یا کوئی فوجی عہدے دار اپنے لیے فوج جمع نہیں کر سکتا ہے، ان کو جاگیریں دی جاتی ہیں، جیسا کہ مصر اور شام میں دستور ہے، سلطان سپاہیوں کو اپنی خدمت کے لیے طلب کرتا ہے اور ان کو تنخواہیں شاہی دیوان دیتا ہے، خان، ملک، امیر اور سپہ سالار کو جو جاگیریں دی جاتی ہیں، وہ ان کے ذاتی مصرف کے لیے ہیں،

جاگیر سے ہر خان کی آمدنی لاکھوں کی ہوتی ہے، ایک ایک لاکھ ٹنکے اور ایک ٹنکہ آٹھ درہم کے برابر ہوتا ہے..... ہر ملک کی آمدنی ساٹھ سے پچاس ہزار ٹنکے ہوتی ہے، ہر امیر چالیس سے تیس ہزار ٹنکے پاتا ہے، سپہ سالار کی آمدنی

Marfat.com

تیس ہزار یا اس سے لگ بھگ ہوتی ہے۔ اور دوسرے عہدہ داروں کی آمدنی دس ہزار سے ایک ہزار ٹنکے تک رہتی ہے، سلطان کا ہر غلام پانچ ہزار سے ایک ہزار ٹنکے کھانے کپڑے اور جانوروں کے چارے کے علاوہ پاتا ہے، سپاہیوں کو زمین نہیں ملتی ہے۔ ان کو ان کی تنخواہیں نقد دی جاتی ہیں، ..... غلاموں کو ہر مہینہ دو من گیہوں اور چاول، تین سیر گوشت روزانہ اور اوپر کے اخراجات کے لیے دس سفید ٹنکے دیے جاتے ہیں، ہر سال چار جوڑے کپڑے بھی عطا کیے جاتے ہیں، .....

سلطان کے یہاں زردوزی کا ایک کارخانہ ہے، جس میں چار ہزار ریشم کا کام جاننے والے مشغول رہتے ہیں، وہ مختلف قسم کے کپڑے اور لباس تیار کرتے ہیں، جو خلعت اور تحفے کے طور پر تقسیم کیے جاتے ہیں، ان کے علاوہ چین، عراق اور اسکندریہ سے بھی کپڑے آتے رہتے ہیں، ہر سال سلطان موسم بہار اور موسم خزاں میں دو لاکھ خلعت تقسیم کرتا ہے، موسم بہار کے خلعت اسکندریہ کے کپڑے سے تیار ہوتے ہیں، اور موسم گرما کے خلعت ریشمی ہوتے ہیں، جو یا تو دہلی میں تیار کیے جاتے ہیں، یا چین اور عراق سے منگا لیے جاتے ہیں، سلطان یہ خلعت خانقاہوں اور زیارت گاہوں میں بھی تقسیم کرتا ہے،

سلطان کے یہاں چار ہزار زردوز حرم کی عورتوں کے لیے کمخواب تیار کرنے میں مشغول رہتے ہیں، وہ ایسے کپڑے بھی تیار کرتے ہیں، جو سلطان اپنے عہدہ داروں اور ان کی بیگمات کے لیے تحفے کے طور پر پیش کرتا رہتا ہے۔

وہ ہر سال دس ہزار داغ کیے ہوئے گھوڑے بھی تقسیم کرتا ہے، ان میں کچھ کے ساتھ زین اور لگام بھی ہوتی ہے، عربی نسل کے گھوڑوں کو دیتے وقت ان میں زین اور لگام نہیں ہوتی، زین اور لگام کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں، کچھ پر جھولیں ڈال دی جاتی ہیں، کچھ بہت مرصع ہوتی ہیں۔ کچھ جھولیں چاندی اور سونے سے بھی تیار کی جاتی ہیں۔ سلطان بار برداری کے گھوڑوں کو تحفہ میں دیتے وقت شمار نہیں کرتا۔ وہ پکڑوں کی تعداد میں دیتا رہتا ہے۔

Marfat.com

سلطان کے یہاں بارہ سو اطبا، دس ہزار شکرے سے شکار کرنے والے شکاری، تین ہزار جنگل میں شکاری جانوروں کو ہانکنے والے، پانچ سو دربار ی، ایک ہزار موسیقی سکھانے والے اور تین زبانوں عربی، فارسی اور ہندی کے ایک ہزار عمدہ ذوق رکھنے والے شعرا ہیں، شاہی دیوان ان کو تنخواہیں دیتا ہے، ان کو تحفے بھی دیے جاتے ہیں، ..... بعض درباریوں کو ان کی تنخواہوں کے لیے دو گاؤں اور کسی کو ایک گاؤں دے دیا جاتا ہے لیکن ہر ایک کو چار ہزار سے دو ہزار تنکے ضرور ملتے ہیں۔ خلعت، پوشاک، اور روزینے ان کے علاوہ ہیں،

سلطان کی طرف سے صبح اور شام کو دو بار دستر خوان بچھائے جاتے ہیں جس پر بیس ہزار خوانین، امرا، ملوک، سپہ سالار اور فوج کے دوسرے ممتاز عہدہ دار شریک ہوتے ہیں اور اس کی موجودگی میں مذہبی مسائل پر بحث کرتے ہیں۔

سلطان کے تمام احکام کی تعمیل اس کے خوف کی وجہ سے پورے طور پر کی جاتی ہے اور پوری دنیا اس کی فوج سے تھراتی ہے، وہ سلطنت اور ملک کے تمام امور کو اپنی نگرانی میں انجام دیتا ہے اور انصاف کے لیے خود دربار میں بیٹھتا ہے، .....

اگر سلطان کی فیاضیوں، اس کے صدقات و خیرات کا ذکر کیا جائے تو اس کے لیے بہت سے اوراق کی ضرورت ہوگی، ..... وہ روزانہ دو لاکھ خیرات تقسیم کیا کرتا ہے، جو مصری سکے ہیں ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم کے برابر ہوتے ہیں، کسی روز یہ خیرات پچاس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے، اس کا یہ بھی معمول ہے، کہ جس روز نیا چاند دکھائی دیتا، اس روز وہ دو لاکھ تقسیم کرتا، چالیس ہزار غریبوں کے اخراجات وہ خود برداشت کرتا، ان میں وہ ہر ایک کو روزانہ ایک درہم اور روٹی کے لیے گیہوں یا چاول پانچ رطل دیتا، مدرسوں میں ہزاروں فقہا مقرر تھے، جن کی تنخواہیں شاہی دیوان دیتا، وہ یتیموں اور لوگوں کے بچوں کو قرأت اور انشا کی تعلیم دیتے، اس نے حکم دے رکھا ہے، کہ دلی میں کوئی گداگری نہ کرے، ان کے اخراجات

Marfat.com

کی کفالت وہ خود کرتا۔

مسافروں اور اجنبیوں کی وہ جو تواضع اور مدد کرتا اس کی تفصیل بیان کی جائے، تو وہ ناقابل یقین معلوم ہو... سلطان ابوسعید نے.... ادحاد بن قاضی یزد کو اپنا سفیر بنا کر.... خیر سگالی کے جذبے میں.. سلطان کے پاس بھیجا..... جب وہ دہلی آیا تو سلطان نے اس کی بڑی پذیرائی کی، شاہانہ خلعت عطا کیا، اپنے پاس ایک علٰحدہ خیمہ میں ٹھہرایا اور پھر بڑا سرمایہ دیا..... جب وہ جانے لگا، تو اس کے تحفے آٹھ سو تومان کی قیمت کے برابر تھے، ایک تومان دس ہزار دینار اور ایک دینار چھ درہم کے برابر ہوتا ہے، اس طرح اس کے تحفے اسی لاکھ دینار یا چار کروڑ اسی لاکھ درہم کے برابر ہوئے.....

ایک عالم ایران سے آئے، اور سلطان کو فلسفہ کی کتابیں پیش کیں، جن میں ابن سینا کی الشفا بھی تھی، یہ عالم جب سلطان کے پاس کھڑے تھے، تو جواہرات سلطان کے پاس لائے گئے، اس نے ایک مٹھی جواہرات عالم کو دیے، جو سونے کے بیس ہزار مثقال کے برابر ہوئے، اس کے علاوہ سلطان نے ان کو کچھ اور تحفے بھی دیے.....

سلطان نے ایک بار ایک جماعت کو تین لاکھ کا سونا دے کر ماوراءالنہر بھیجا.. تاکہ ایک لاکھ تو وہ علماء اور ایک لاکھ وہاں کے غربا میں تقسیم کر دیں، اور ایک لاکھ سے وہاں کی چیزیں خریدیں.....

سلطان کے ساتھ سفر و حضر دونوں میں علماء رہتے، ایک بار اس نے اپنی فوج کو کسی مہم پر بھیجا، اس کے پیچھے خود بھی روانہ ہوا، اس کو راستہ ہی میں اس کے لشکر کی فتح و کامرانی کی خبر ملی، جس سے وہ خوش ہوا، اور بولا کہ یہ فتح علما کی معیت کی برکت سے ہوئی، اس نے ان کو حکم دیا، کہ وہ اس کے خزانہ عامرہ میں جا کر جتنی دولت چاہیں لے لیں، جو علما کمزور تھے، انھوں نے اپنے بدلے دوسروں کو بھیجا، وہ خزانے میں داخل ہو گئے.... ان میں سے ہر ایک نے دو دو تھیلیاں اٹھا لیں، جن میں دس ہزار درہم تھے، ایک نے تین تھیلیاں اٹھا لی تھیں، دو تو دونوں بغل میں دبا لی تھیں اور ایک

Marfat.com

کو سر پر رکھا تھا، سلطان یہ دیکھ کر اس کی طمع پر ہنسا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور جو لوگ خزانے میں نہ جا سکے تھے ان کو سلطان نے دس دس ہزار درہم دیے۔ ۔ ۔

اس سلطان کی وجہ سے شریعت کی روشنی قائم ہے، اہل علم کے ساتھ محبت بھی اسی کے دم سے قائم ہے، ان کی بڑی عزت اور توقیر کی جاتی ہے، اسی لیے وہ بھی پوری محنت اور ریاضت کے ساتھ اپنی شہرت کو قائم رکھنے میں مشغول رہتے ہیں، وہ اپنے ذہن، مطالعہ اور لیاقت کو ترقی دینے میں لگے ہوتے ہیں، اور ان کے علوم و فنون میں سلامت روی اور اعتدال پسندی آ گئی ہے۔

مسالک الابصار ہندوستان کی معاشرتی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہے کہ دہلی میں شراب نہیں ہوتی ہے، اس لیے اس کو کوئی علی الاعلان یا خفیہ طور سے فروخت نہیں کرتا، سلطان شراب نوشی کا بہت مخالف ہے، اور جو اس کے عادی ہوتے ہیں، ان کو وہ پسند نہیں کیا کرتا ہے، عام طور سے ہندوستانیوں کو شراب اور نشہ آور چیزوں سے رغبت نہیں ہوتی ہے، وہ پان کھا کر مطمئن ہو جاتے ہیں، پان کھانے کی عام اجازت ہے، لوگ اس کو پسند کرتے ہیں، اور اس میں بعض ایسی خوبیاں ہیں جو شراب میں نہیں ہوتی ہیں، یہ سانس کو خوشبودار بناتا ہے، ہاضمہ کو قوت دیتا ہے اور حافظہ کو بڑھاتا ہے، روح کو فرحت بخشتا ہے، خوشی عطا کرتا ہے، ذہن کو قوت دیتا ہے اور مزے میں بہت خوشگوار ہے، پان کے پتے میں ڈلی، چونا اور کتھا ملا دیا جاتا ہے، اس ملک میں پان کو پیش کرنے میں بڑی عزت سمجھی جاتی ہے، جب کوئی مہمان ہوتا ہے، اور اس کی تواضع ہر قسم کے کھانے گوشت، مٹھائیوں، مشروبات، عطریات وغیرہ سے کی جائے اور پان نہ پیش کیا جائے، تو اس کی تواضع ناقص ہو جاتی ہے، اور مہمان اپنی پذیرائی سے خوش نہیں ہوتا، کوئی معزز شخص جب کسی کی عزت افزائی کرتا ہے، تو وہ پان پیش کرتا ہے۔

مسالک الابصار کا مولف ہندوستانی سکوں کا ذکر کر کے یہاں کی ارزانی کی تفصیل اس طرح درج کرتا ہے۔

Marfat.com

ہندوستان میں سرخ یعنی طلائی ٹنکہ تین مثقال اور سفید یعنی
ٹنکہ آٹھ ہشتگانی درہم کے برابر ہوتے ہیں، یہ ہشتگانی درہم چاندی کے اس
درہم کے وزن کے برابر ہوتا ہے، جو مصر و شام میں مروّج ہے، اس کی قیمت بھی
مساوی ہے، ہشتگانی درہم میں چار سلطانی درہم ہوتے ہیں، اور یہ دوگانی
کہلاتا ہے، یہ سلطانی درہم ششتگانی درہم کے $\frac{1}{3}$ کے برابر ہے اور یہی
ہندوستان میں استعمال ہوتا ہے، سلطانی درہم کا نصف یگانی کہلاتا ہے، جو
ایک جیتل کے برابر ہوتا ہے دوسرا درہم دوازدہ گانی ہے جو $\frac{1}{2}$ ہشتگانی کے برابر ہے
ایک اور درہم شانزدہ گانی ہے جو دو درہم کے برابر ہے ہندوستان میں چھ درہم ہیں
شانزدہ گانی، دوازدہ گانی، شصت گانی، ہشت گانی، سلطانی یگانی۔ سب سے چھوٹا
سکہ سلطانی درہم ہے۔ ان تینوں درہم سے ہندوستان میں لین دین اور کاروبار ہوتا ہے،
یہ مصر و شام کے $\frac{1}{4}$ درہم کے برابر ہیں، سلطانی درہم میں آٹھ فلوس یا دو جیتل ہوتے ہیں ہر جیتل
چار فلوس کے برابر ہوتا ہے، اس طرح ہشتگانی درہم اس نقرئی درہم کے $\frac{1}{4}$ کے برابر ہے، جو مصر و
شام میں رائج ہے، اس میں ۲۲ فلوس ہوتے ہیں، رطل کو ہندوستان میں سیر کہا
جاتا ہے، ایک سیر ستر مثقال کے برابر ہے، جو مصری درہم کے $\frac{2}{5}$ ۱۰۲ کے مساوی
ہے، چالیس سیر کا ایک من ہوتا ہے،

ایک من گیہوں $\frac{1}{4}$ ا ہشتگانی درہم میں فروخت ہوتا ہے، ایک من جو
ایک درہم میں مل جاتا ہے، ایک من چاول کا نرخ $\frac{3}{4}$ درہم ہے، اچھے چاول
کی قیمت کچھ زیادہ ہے، دو من مٹر کی قیمت ایک ہشتگانی درہم ہے، گائے اور
بکرے کے گوشت کی قیمت برابر ہے، ایک سلطانی درہم میں چھ سیر گوشت
مل جاتا ہے یہ گویا $\frac{1}{4}$ ہشتگانی درہم کے برابر ہوا، بھیڑ کے گوشت کا نرخ
ایک سلطانی درہم میں چار سیر ہے، ایک ہنس دو ہشتگانی درہم، اور چار
مرغ ایک ہشتگانی درہم میں مل جاتے ہیں، پانچ سیر شکر کی قیمت بھی ایک ہشتگانی
درہم ہوتی ہے، چار سیر قند کی قیمت بھی ایک ہشتگانی درہم ہے، ایک اچھی اور
توانا بھیڑ کا نرخ ایک ٹنکا ہے، جو آٹھ ہشتگانی درہم کے برابر ہے، ایک
اچھی گائے دو ٹنکے میں مل جاتی ہے، بعض اوقات اس سے بھی سستی ہوتی ہے،

Marfat.com

بھینس کا بھی وہی نرخ ہے۔

ہندوستانی زیادہ تر گائے اور بکرے کا گوشت کھاتے ہیں۔۔۔۔ چار بہت عمدہ مرغیوں کی قیمت ایک مصری درہم کے برابر ہوتی ہے۔ گوریوں اور دوسری چڑیوں کی قیمت اور بھی ارزاں ہے۔

مسالک الابصار کے مولّف نے ہندوستانیوں کے لباس و پوشاک کی بھی تفصیل لکھی ہے۔

ہندوستانیوں کے لباس زیادہ تر سفید ہوتے ہیں، اونی کپڑے باہر سے منگوائے جاتے ہیں، ان کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے، علما اور درویش اونی کپڑے پہنتے ہیں، سلطان، خواتین۔ ملوک اور دوسرے فوجی عہدہ دار تاتاری کپڑے نکلادت اور اسلامی طرز کے خوارزمی قبائیں پہنتے ہیں، یہ کمر پر سے تنگ ہوتی ہیں، پگڑیاں ململ کی ہوتی ہیں لیکن چھوٹی یعنی پانچ چھ ہاتھ سے زیادہ کی نہیں، ہوتی ہیں ... تاتاری کپڑے پر بھی سنہرا کام بنا ہوتا ہے، بعض لباس ایسے ہیں جن کی صرف آستینوں پر سنہرا کام ہوتا ہے، بعض کے لباس میں مغلوں کی طرح دونوں کاندھوں کے درمیان کام کیا ہوتا ہے، ان کے سر کی پوشاک چہار پہل ہوتی ہے جس میں موتی، ہیرے اور دوسرے جواہرات لگے ہوتے ہیں، ان کے سر کے بالوں کی لٹیں آگے سے گندھی اور بٹی ہوئی لٹکتی رہتی ہیں جس طرح کہ مصر اور شام کے سپاہیوں میں پہلے دستور تھا۔ وہ اپنے بالوں کی لٹوں میں ریشمی موات باندھ دیتے ہیں، وہ اپنی کمر میں سونے اور چاندی کے پٹے لگائے رہتے ہیں، اور جوتے پہنتے ہیں۔ اور مہمیز استعمال کرتے ہیں، جب وہ سفر پر جاتے ہیں، تو کمر میں تلوار لٹکا لیتے ہیں، وزرا، اور منشیوں کا لباس بھی سپاہیوں کی طرح ہوتا ہے، صرف فرق یہ ہے کہ وہ اپنی کمر میں پٹہ نہیں باندھتے ہیں، وہ صوفیوں کی طرح اپنی پگڑیوں میں رومال باندھ لیتے ہیں، قاضی اور علما فرجیات پہنتے ہیں جو جندیات کے مشابہ ہیں۔

مسالک الابصار کے مذکورہ بالا اقتباسات کے ترجمے ڈاکٹر اوٹو اسپیر کے اس انگریزی ترجمہ کی مدد سے کیے گیے ہیں جو ایک رسالہ کی صورت میں شیخ محمد اشرف لاہور کے یہاں سے شائع

Marfat.com

ہوا ہے۔

مسالک الابصار میں ہندوستانی حسن کا ذکر بھی بہت ہی دلچسپ انداز میں کیا گیا ہے۔

"عام طور سے ہندوستان کی عورتوں کو ترکی اور قپچاقی عورتوں کی نسبت زیادہ حسین اور ملیح بتایا جاتا ہے، لوگ کہتے ہیں، کہ حسن و ملاحت کے علاوہ بعض خوبیاں ہندی عورتوں میں ایسی ہیں جو کسی اور ملک کی عورتوں میں نہیں پائی جاتی ہیں، ہندوستان کی اکثر عورتیں سبز رنگ ہوتی ہیں اور بعض گورے رنگ کی ہوتی ہیں، ان کے گورے رنگ میں سرخی جھلکا کرتی ہے اور باوجودیکہ لوگوں کے پاس ترکی قپچاقی رومی اور دوسری عورتیں موجود ہیں، مگر ان میں سے کوئی حسن و خوبی میں ہندی عورت کو نہیں پہنچتی، میرے خیال میں دنیا کے کسی خطہ کی عورت ہندی عورت کے مقابلہ میں بڑھ نہیں سکتی، اور بڑھ سکتی ہے ہندی عورت سے تو کوئی ہندوستان ہی کی عورت بڑھ سکتی ہے، یہ عورتیں تمام دنیا کی عورتوں سے صرف حسن و ملاحت ہی میں بڑھی ہوئی نہیں ہیں، بلکہ ان میں اور بے شمار خوبیاں ہیں، جن کے لیے تحریر کے دامن میں گنجایش نہیں۔"

(مسالک الابصار کا یہ اقتباس آغا محمد حسن کی کتاب محمد بن تغلق سے لیا گیا ہے)

ہندوستان اور اس کے فرماں روا کی اوپر جو تصویر کھینچی گئی ہے وہ ناقابل یقین عجائبات میں سے معلوم ہوتے ہیں، لیکن ابن بطوطہ نے بھی اس زمانے کے ہندوستان کی ایسی ہی مرقع آرائی اپنے سفر نامہ میں کی ہے اور وہ لکھتا ہے کہ میں خدا اور اس کے رسول اور اس کے ملائکہ کو گواہ کرتا ہوں کہ جو کچھ میں سلطان محمد تغلق کی فوق العادۃ سخاوت اور کرم سے بیان کروں گا، وہ سب کی سب درست ہیں، یہ بھی معلوم رہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے، وہ اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ اس کو مبالغہ قیاس کرتے ہیں، لیکن جو کچھ میں نے لکھا ہے، وہ یا تو میرا چشم دید ہے، یا میں نے اس کی صحت کی طرف سے اطمینان کر لیا ہے، یا خود میرے سامنے گذرا ہے، اور اس کی روایت تمام مشرق میں حد تواتر کو پہنچ گئی ہے،

(سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ، ص ۹۸)

اور یہ صحیح ہے، کہ مشرق میں سلطان محمد تغلق سے متعلق بہت سی روایتیں حد تواتر کو پہنچ گئی تھیں، ابو العباس شہاب الدین احمد بن علی قلقشندی (المتوفی ۱۴۱۸ء) مصر میں وہاں کے دیوان انشاء کا ایک ممتاز عہدہ دار تھا، اس نے اپنی مشہور تصنیف صبح الاعشیٰ لکھی

Marfat.com

اس کا موضوع فن انشا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں اس نے جہاں اسلامی ممالک کی تہذیبی، معاشرتی اور سیاسی تفصیلات لکھی ہیں، وہاں محمد بن تغلق کے عہد کے ہندوستان کی تہذیب، تمدن اور معاشرت کی بھی وہ ساری باتیں قلم بند کی ہیں جو مسالک الابصار میں ہیں۔ ان معلومات کی صحت و عدم صحت پر بعض مورخین بحث کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے، لیکن بحث کے بعد خواہ وہ جس نتیجہ پر پہنچیں ان کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا، کہ بیرونی ممالک میں اس دور کے ہندوستان کی بڑی عظمت اور عزت قائم تھی، مذکورۂ بالا دونوں کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس قسم کے معلومات زیادہ تر مبارک بن محمود الانمانی (کھمباتی) اور شیخ عبدالرحمٰن الربان الهندی نے فراہم کیے۔ جو اس بات کا بھی ثبوت ہے، کہ ان دونوں ہندوستان نژاد عالموں اور سیاحوں نے بیرونی ممالک میں اپنے وطن کو اونچا دکھانے کی کوشش کی، اور انھوں نے وہی کام انجام دیا، جو موجودہ دور میں پبلسٹی اور پروپگنڈا کے نام سے لاکھوں روپئے خرچ کرکے کیا جاتا ہے، اس پبلسٹی میں کوئی غلط بات نہیں کہی گئی، جیسا کہ آج کل پروپگنڈا میں غلط باتوں کے کہنے میں احتراز نہیں کیا جاتا ہے سلطان محمد بن محمد تغلق کے بہت بڑے ناقد مولانا ضیاءالدین برنی ہیں۔ جو اس سے اس لیے خوش نہ تھے، کہ اس نے ان کے ساتھ ان کی توقع کے مطابق اچھا سلوک نہیں کیا، اور اس نے ان کے وطن برن (بلند شہر) پر فوج کشی بھی کی، لیکن وہ بھی لکھتے ہیں کہ سلطان محمد کے بکثرت انعامات سے گدا قارون بن گئے، مسکین اور بے نوا بڑی بڑی نعمت اور ثروت سے سرفراز کیے گیے، اور جو کچھ حاتم، برامکہ معن بن زایدہ اور دوسرے مشہور و معروف سخیوں نے برسوں میں خرچ کیا، سلطان محمد نے ایک وقت میں صرف کیا، اور بادشاہ خزانے سے مال دیتے یا سونا اور چاندی عطا کرتے۔ سلطان محمد تو خزانہ ہی بخش دیتا، سلطان بہادر شاہ کو سنار گانوں دیتے وقت پورا خزانہ دے دیا۔ ملک سنجر بدخشانی کو اسی لاکھ تنکے، ملک الملوک عماد الدین کو ستر لاکھ، عضد الدولہ کو چالیس لاکھ تنکے، مولانا ماجد طویل، قاضی کاسنہ، خداوند زادہ غیاث الدین، خداوند زادہ قوام الدین، ملک الندما ناصر کافی کو لاکھوں بلکہ بے شمار روپیے دیے۔ ملک بہرام غزنین کو ہر سال ایک کروڑ تنکے دیا کرتا تھا، قاضی غزنین کو مال و جواہر اتنا دیا، کہ اس نے کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

مولانا ضیاءالدین برنی یہ بھی لکھتے ہیں، کہ اس کی فیاضی کی شہرت سن کر علما، اساتذہ

Marfat.com

اور ہنر مند خراسان، عراق، ماوراء النہر، خوارزم، سیستان، ہرات، مصر، دمشق سے اس کے دربار میں آتے، اور مالامال ہو کر جاتے، اس کے دخیر عہد میں مغل کے امیراں اور امیران ہزاراں اور دوسرے اکابر اس کے یہاں آنے یا تو اس کے چاکر اور رہوا خواہ ہو جاتے یا خلعت یا لاکھوں، کروڑوں روپیہ یا چاندی سونے کے ظروف میں بھر بھر کر روپیے اور رتنکے زردوز اور زربفت کے کپڑے، گھوڑے، افطاع اور جاگیریں وغیرہ پاتے، اس جہاں بخش حکمراں کے سامنے سونے چاندی، جواہرات اور زمرد ارید وغیرہ سنگریزے اور سفال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، (ص ۶۴ - ۴۶۱)

سلطان محمد تغلق کے عہد کی دہلی

سلطان محمد تغلق نے اپنی فیاضیوں کے ساتھ دہلی کو بھی ہر طرح آراستہ کرنے کی کوشش کی، اس کی خواہش ہوئی، کہ پرانی دہلی کیلوکھری، سری اور تغلق آباد کو ملا کر ان کے چاروں طرف ایک فصیل بنا دی جائے، تاکہ یہ بیرونی حملہ آوروں سے بھی محفوظ رہے لیکن اس میں بہت خرچ تھا، اس لیے یہ ممکن نہ ہو سکا، پھر اس نے ایک نیا شہر جہاں پناہ کے نام سے آباد کیا، جس کو دیکھ کر بیرونی سیاح متحیر رہتے تھے، ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے، کہ اس شہر کی فصیل تمام دنیا میں بے نظیر ہے اس کا عرض گیارہ ہاتھ ہے، اس میں کوٹھریاں اور مکانات بنے ہوئے ہیں، جن میں چوکیدار اور دروازے کے محافظ رہتے ہیں، غلے کے کھتے بھی فصیل میں بنے ہوتے، جن کو انبار کہتے ہیں، منجنیق اور لڑائی کے سامان بھی ان ہی گوداموں میں رکھے جاتے ہیں،

(سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ، ص ۴۳ - ۴۲)

محمد تغلق نے اس فصیل کے اندر ایک محل بنایا تھا، جس کا نام دارسرا تھا، پھر ۷۴۴ء میں ایک قلعہ بھی بنوایا، جو ظہیر الدین معمار کے اہتمام میں تعمیر ہوا، اس کے تین نام رکھے گئے تھے، خرم آباد، محمد آباد اور عادل آباد، اس کی شان و شوکت سے سلطان محمد تغلق کا درباری شاعر فخر الزماں بدر چاچ (المتوفی ۱۳۵۳ء) اتنا متاثر ہوا تھا کہ بڑے فخر کے ساتھ کہتا ہے، دہلی کا یہ قلعہ جنت الماویٰ سے بڑا ہے، (فزوں تر) اس کا حلقہ زحل اور ہفت طارم اعلیٰ کو بھی احاطہ کیے ہوئے ہے اور اپنی جلالت میں شش جہت دہشت

Marfat.com

روضۂ عقبیٰ کو گھیرے ہوئے ہے:

سوادِ قلعۂ دہلی اگرچہ در دنیاست   ہزار بار فزوں تر ز جنت الماویٰ است
چہ قلعہ ایست کہ قوسِ زحلقہ درِ او   محیط نہ ربعِ ہفت طارمِ اعلیٰ است
اگر نہ خلد بریں است آں ہزار ستون   چرا فضائے درش عرصہ گاہ روزِ جزا است
چہ قلعہ اے کہ جلالت کہ بارہ از وے   محیطِ شش جہت و ہشت روضۂ عقبیٰ است

ایک دوسرے قصیدہ میں کہتا ہے،

شکوہ قلعہ قلعے عمارت نہ نہ   نمونہ ایست ز برج حصار قلعہ شہ
محیط ہفت فلک را ز نقطۂ کم یافت   میان دائرہ حلقۂ در او سہ
زہے حصار کہ در دے جہی بنا کردند   فلک چو رنگ کبودے و نمود در تگ چہ
چو آسمان بسوے قصرِ شاہ کرد نظر   بر فعتش ز سرِ آسمان فتاد کلہ

اب یہ قلعہ ویران ہو چکا ہے، اور اس کے آثار تغلق آباد میں پائے جاتے ہیں، لیکن اوپر کے اشعار سے اندازہ ہوگا، کہ اس زمانہ میں اس کو دیکھ کر یہاں کے لوگ ہندوستان کی شان و شوکت پر فخر کیا کرتے تھے۔

یہ قلعہ تو سلطان محمد بن تغلق کا بنایا ہوا تھا، اس لیے ممکن ہے کہ یہ خیال ہو، کہ سلطان کو خوش کرنے کے لیے اس کی مدح سرائی کر دی گئی ہو لیکن شعرا کو ہندوستانی کا کوئی شہر یا اس کی کوئی مخصوص چیز پسند آجاتی تو اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنے کلام میں کرتے رہتے، بدر چاچ نے نگرکوٹ کا قلعہ دیکھا، تو حیرت زدہ رہ گیا، یہ ہندوؤں کا تعمیر کردہ تھا، جن کو پہاڑوں کے سینے چاک کر کے اور دریاؤں کی موجوں سے کھیلتے ہوئے بھی قلعوں کی تعمیر میں بڑی مہارت پیدا ہو گئی تھی، نگرکوٹ کا قلعہ پہاڑ کی چٹانوں سے دریا کے کنارے بنایا گیا تھا، بدر چاچ اس کی مضبوطی، صلابت اور رفعت کو دیکھ کر دنگ ہو گیا تھا، کہتا ہے۔

زہے حصار کہ ربعی ز حلقۂ در اوست   محیط نہ ربعِ ہفت قلعہ مینا
چہ قلعہ ایست کہ فرشے بود ز رفعت او   فضائے عرصۂ بامِ رواقِ او اوادنیٰ
چو بام چشم بلند و ہمچو مردم چشم   ازاں سواد دے نمایاں دریا
نہاد از صفا بود و آں صلابت داشت   کہ مرد را نہ سکندر گرفت نے دارا
برون او ہمہ دیوان منجنیق انداز   درون او ہمہ حوران آفتاب لقا

Marfat.com

محمد تغلق اور تاتاری حملے

محمد تغلق کے زمانے میں بھی مغلوں کا حملہ ہوا، مورخوں نے اس حملہ کا ذکر مختلف طریقہ سے کیا ہے، لیکن فتوح السلاطین میں عصامی کا بیان ان مورخوں سے کچھ الگ ہے، وہ لکھتا ہے کہ

ایک روز محمد تغلق کو خبر ملی کہ مغل حد سندھ کو پار کر کے اقصائے ہند میں داخل ہو گئے یہ خبر پاتے ہی سلطان نے تیاری شروع کر دی، بہادر فوجی سرداروں کو جمع کیا، ان سے مشورے کیے، اور پھر ایک بڑی فوج لے کر روانہ ہو گیا، عصامی اس تیاری کو پھر پورے رزمیہ شان کے ساتھ بیان کرتا ہے،

چو خسرو ازیں حال آگاہ گشت	کہ از حد ملتان ملاعیں گذشت
کمر بست در کار لشکر کشی	بہ رسم کلہ داری و سرکشی
نویدے رواں کرد در ہر طرف	طلب کرد افواج خود صف بہ صف
سپاہے گراں راند ہر صفدرے	ہنر برے در آمد زہر کشورے
یکے انجمن شد ز سرلشکراں	بہ دنبال ہر یک سپاہے گراں
چو شد عرض آں لشکر بے عدد	کہ در حضرت آمد برائے مدد
شنیدم مہندس شمردہ سوار	بہ دفتر در آورد پانصد ہزار
ز سبری سپہ خیمہ زد تا بہ جود	بہ ہر روز فوجے برو می فزود

سلطان کو راستے میں خبر ملی، کہ مغل میرٹھ تک پہنچ کر لوٹ مار کر رہے ہیں، ان کا سردار ترمہ شیرین ہے، سلطان نے فوراً حکم دیا کہ دس ہزار سواروں کو لے جا کر ان کی سرکوبی کی جائے، اور لڑائی لڑنے کی ترکیبیں بھی بتائیں،

بداں پور بغرا بفرمود شاہ	کہ راند سبک سوے میرٹھ سپاہ
برد با خود آں سرکش نامدار	ز تازی سواراں یلے دہ ہزار
بغفلت چو یابد مغل را بہ برد	نماید بر ایشاں یکے دستبرد
وگر خود بہ بیند محلے چناں	کہ بتواں زدن فوج بر فوج شاں
ابا جملہ لشکر رود در حصار	چو مرداں بود روز و شب ہوشیار

Marfat.com

بہ ہر جا یکے قلب بیند زہیں   زند در کمیں گاہ دشمن کمیں
دگر بیشتر جنبد افواج شاں   سپہ را بہ از بہر تاراج شاں
ازاں سو تو آئی ازیں سوئے من   فتد در میاں ان سیاہ فتن
یکے روز ناگہ بر ایشاں زنیم   بہ یک حملہ افواج شاں بشکنیم
چو فرمان شہ پور بغرا شنید   بزو کوس و افواج بیروں کشید

لڑائی ہوئی تو مغلوں کی فوج نے راہ فرار اختیار کی ترمہ شیرین کا بھانجہ بھی اسیر کر لیا گیا، تھانیسر پہنچ کر محمد تغلق نے اور لشکر بھیجا، شاہی فوج نے شکست خوردہ مغلوں کا دور تک پیچھا کیا۔

سپہ کرد دنبال آن قوم شوم   کہ کم باد بے شاں ازیں مرز و بوم
چو دنبال شاں کرد افواج ہند   بسے خون شاں ریخت تا آب سند
بہ ہر قلب گاہے کمیں می زدند   علم ہائے شاں بر زمیں می زدند

عصامی نے بیرونی دشمنوں کی صورت شکل کی بڑی بھیانک تصویر کھینچی ہے، ان کی آنکھیں تنگ، ناک چوڑی، منہ اُن کے محل کے پھاٹک کی طرح، ان کی ناک سے زرد پانی برابر جاری رہتا۔

ہمہ تنگ چشمان، بینی فراخ   دہن ہائے شاں ہمچو در ہائے کاخ
شب و روز از بینی ولیست شاں   بسوے زرد آب گشتہ روان

ضیاء الدین برنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ سلطان محمد بن تغلق کے دور میں مغل بار بار حملہ کرنے کے بجائے اس کے آستانے پر جبیں سائی کرنے لگے تھے اور ان کے امرا، بلکہ ان کی عورتیں ہر سال جاڑوں میں اس کے یہاں آتیں، وہ سب کے سب لاکھوں اور کروڑوں ٹنکے انعام، خلعت، گھوڑے اور مروارید پاتے، ان کی دعوتیں ہوتیں، اور سلطان دو تین مہینے اس قسم کے عطا، ایثار اور نوازش کرنے میں مشغول رہتا۔

"سلطان محمد دراں چنداں سال کہ در دہلی بود در اعطا و ایثار مغلاں گذشت کہ سال بہ سال در آمد زمستاں چندیں امیران تمن و امیران ہزارہ و خاتونان و اغلیان می رسیدند، و کرور ہا و لکھا خلقہا و اسپاں تنگ بست و مروارید تمنہا می یافتند و ہر روز بجہت ہر یکے کہ می رسیدند ضیافتہا

Marfat.com

می شد و دو سہ ماہ سلطان را مشغولی نہ بود مگر اعطا و ایثار و پرسش و نوازش مغلاں " (ص ۴۹۹)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ترمہ شیریں نے سلطان محمد بن تغلق کا دوست بن کر اس کو ایران و خراسان کے مغلوں کی خبریں بھی پہنچائیں، جن کی بدولت سلطان نے ان ملکوں کی فتوحات کے منصوبے بھی باندھے گو وہ عمل میں نہ آسکے۔

سلطان محمد تغلق کے عہد میں بیرونی ممالک میں ہندوستان کی عظمت اور شہرت بڑھ جانے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے، کہ اس زمانے کے چین کے فرماں روا نے خیر سگالی کے جذبہ میں ایک وفد بھیجا، جس کے ساتھ سلطان کے لیے سو غلام اور لونڈیاں، کمخواب کے پانچ سو تھان، پانچ من مشک، جواہرات سے بھرے ہوئے پانچ خلعت پانچ طلاکار ترکش اور پانچ تلواریں بھیجیں، سلطان کو اس کے بدلے میں تحفے بھیجتے وقت یہ خیال رہا، کہ جب یہ چین پہنچے تو ہندوستان کی شان و شوکت اور عظمت کا پورا سکہ جم کر رہے، اسی لیے اس نے بھی سو غلام اور کنیزیں بھیجیں، جو ناچنا اور گانا بھی جانتی تھیں، سو تھان بیرمہ کپڑے کے تھے، جو روئی سے بنے تھے، اور اپنی خوبصورتی میں بے مثل تھے، ان میں ایک تھان کی قیمت سو سو دینار تھی، سو تھان ریشمی کپڑے کے تھے، جن کو جز کیا جاتا تھا، ان میں رنگوں کا ریشم استعمال کیا گیا تھا۔ ایک سو چار تھان صلاحیہ سو تھان شیریں باف اور پانچ سو تھان مرغیز کے اونی تھے جو مار دین سے بن کر آئے تھے۔ ان میں سے سو تھان سیاہ، سو سفید، سو سرخ، سو سبز سو نیلے رنگ کے تھے، سو تھان کتاں روئی کے تھے، ان کے علاوہ سو بے آستین کے چغے، ایک ڈیرہ، چھ خیمے، چار سونے اور چار چاندی کے شمع دان، چار سونے اور چھ چاندی کے طشت، مع لوٹوں کے، دس زردوز خلعت دس شایستہ کلاہ، دس طلاکار ترکش، دس تلواریں تھیں، ایک کلاہ پر جواہرات لگے ہوئے تھے، ایک ترکش میں موتی جڑے تھے، تلوار کی ایک نیام پر بھی موتی اور جواہرات تھے، دس دستان یعنی دستانے بھی موتی سے جڑے ہوئے تھے، یہ سارے تحفے ابن بطوطہ کی نگرانی میں چین بھیجے گئے، جس کے ساتھ ایک شاہی سفیر اور ایک سو خادم بھی تھے، راستہ کے تمام اخراجات سلطان نے برداشت کیے،

(سفر نامہ ابن بطوطہ، ص ۲۴۳-۲۴۴)

Marfat.com

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ہندوستان کی خوشحالی پر مسرت

سلطان محمد تغلق کے بعد فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۸ء - ۱۳۵۱ء) کا جو دور آیا تو اس ملک میں بڑی خوش حالی، فارغ البالی اور چیزوں کی ارزانی رہی، جس کو اس عہد کا مورخ شمس سراج عفیف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں بڑی مسرت کے ساتھ بیان کرتا ہے، اس نے ملک کے فلاح و بہبود کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی کتاب کے آغاز میں پہلے ایک فرماں روا کے فرائض بتائے ہیں، اس زمانہ میں فرماں روا بادشاہ ہی ہوتا تھا، اس لیے بادشاہ کو ملک کی خاطر کیسا ہونا چاہیے، اس پر بحث کی ہے اور جو کچھ لکھا ہے اس کی سند میں کلام پاک کی آیتیں، حدیث کی روایتیں، مشائخ اور گذشتہ فرماں روا ؤں کے اقوال پیش کیے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے،

ایک بادشاہ تمام مخلوق کے ساتھ قلبی شفقت رکھتا ہے، اور اپنے عالی رتبہ کے باوجود اس کی تربیت میں لگا رہتا ہے (ص ۴)، عامۂ خلائق کو اپنے باران کرم سے فیض یاب کرتا ہے، اور ابر باراں کی طرح خلقت پر احسان کے موتی برساتا ہے، بیگانہ افراد کو دائرۂ یگانگت میں داخل کرتا ہے، اور اپنے لطف و کرم اور مہر و محبت سے یگانوں کی کثرت میں روز افزوں اضافہ کرتا رہتا ہے، بہتر فرقے اسی کے سایہ میں آرام پاتے ہیں۔ (ص ۵) اس کے قلب میں جس قدر مادۂ شفقت ہوگا، اسی قدر اس کی نیک نامی کی شہرت پھیلے گی اس کا گوہر شفقت وہ دولت ہے جس کی قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے (ص ۶) وہ عفو کو اپنا شعار بناتا ہے، حلم و بردباری کے گیند سے اپنی ہمت کے میدان میں کھیلتا رہتا ہے، اس کی شفقت کے دریا میں حلم کے موتی پائے جاتے ہیں، (ص ۶ و ۷) وہ اپنے عدل سے مظلوم کی داد خواہی کرتا ہے، اور مسکینوں اور محتاجوں کو نوازتا رہتا ہے، (ص ۸) وہ اپنے ایام حکومت میں ایثار سے کام لیتا ہے، اور جو نقد و مال اس کے یہاں جمع ہوتا ہے، اس کو مستحقوں تک پہنچاتا رہتا ہے، (ص ۱۱)

شمس سراج عفیف کے نقطۂ نظر سے فیروز شاہ تغلق میں زیادہ تر وہ باتیں موجود تھیں، جو ایک شفیق، عدل پرور اور ایثار پسند حکمراں میں ہونا چاہیئے اس لیے اس کے دور کی خوبیاں لکھنے میں اس کا قلم بڑا رواں ہو گیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق اپنے ملک کے لوگوں پر اسی طرح مہربان تھا جس طرح ماں بچوں پر رہتی ہے، اسی لیے

Marfat.com

اس نے اپنی سلطنت کے لوگوں سے پیش آنے میں اپنا یہ دستور العمل بنایا تھا۔

نگہ کن کہ چوں ناورمہر سنج ۔۔۔ بر آں طفل خود چند بر دست رنج

اور وہ اس کا قائل نہ رہا، کہ

ملک را گر قرار می خواہی ۔۔۔ تیغ را بے قرار باید داشت

وہ لوگوں کے بہت سے قصور۔ اور جرم کو معاف کرتا رہتا۔ لیکن چوری اور قتل کے جرم کو معاف نہیں کرتا، کیونکہ اس سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی۔

(ص ۲۲ ۔ ۲۱ ۔ ۲۰)

اس نے تخت پر بیٹھتے ہی وہ تمام بھاری محصول جو کسانوں اور کاشتکاروں کے ذمہ تھے، معاف کردیے، تاکہ لوگوں میں بے چینی کے بجائے خوشحالی پیدا ہو۔ اور اس کا عہد حکومت ان اشعار کے مطابق ہو، (ص ۹۱)

از دل بستہ نقشے بھر خانہ ۔۔۔ رسیدہ بھر کشور افسانہ

نہ آں کرد با مردم از مردمی ۔۔۔ کہ آید در اندیشۂ آدمی

بازوں کس نبا درد رائے ۔۔۔ بروں از خط عدل بنیاد پائے

تمام غیر مشروع محاصل بھی منسوخ کردیے گئے۔ اور اگر کوئی عامل محصول سے زیادہ وصول کرتا، تو اس کا شدید تدارک کیا جاتا۔ اسباب و اجناس کی قیمتیں مقرر کردی گئیں، اور ان ہی کے مطابق خرید و فروخت ہوتا، اور اس میں کوئی بے اعتدالی نہ ہوتی، اس طرح اہل بازار بھی خوش تھے، اور عام لوگ بھی مطمئن اور آسودہ رہے، لوگوں کے پاس غلّہ، مال، گھوڑے اور دوسری چیزیں رہنے لگیں، کوئی عورت زیور کے بغیر نظر نہ آتی، لوگوں کے مکانات میں پاکیزہ بستر، اچھے پلنگ اور راحت کی دوسری چیزوں کی فراوانی ہوگئی، آبادی بڑھنے لگی، اور ہر چار کوس پر ایک گاؤں آباد ہوگیا،

(ص ۱۰۰ ۔ ۹۹)

اس دور میں دو نئے شہر فتح آباد اور حصار فیروزہ بھی آباد کیے گئے اور ان میں نوے کوس تک نہریں جاری کی گئیں، ان کے درمیان کے گاؤں جنید، دھاترتھ اور شہر بانسی اور تغلق پور تھے، سیراب ہوتے رہے، اور وہاں کی آبادی کو ہر طرح کے فوائد پہنچے۔ (ص ۱۲۹) اگر برسات کے موسم میں ان علاقوں میں سیلاب آجاتا۔ تو امراء ان نہروں کے

Marfat.com

دہانے کی حفاظت کے لیے مقرر کیے جاتے، اگر سیلاب سے کوئی قریہ یا قصبہ تباہ ہو جاتا تو اس مقام کے عہدہ داروں سے شدت و سختی کے ساتھ باز پرس کی جاتی، ان تدبیروں سے خوش ہو کر عفیف لکھتا ہے کہ غیر آباد زمین آباد ہو گئی، ہر شخص بے غم اور خوش تھا، جہاں پانی نہ تھا، وہاں نہر جاری کی گئی۔ اور جس زمین پر کبھی کھیتی ہوتی تھی، وہاں باغات اور کھیت نظر آنے لگے۔ (ص ۱۳۱)

ہر جا کہ خرابہ گشت آباد — بے غم ہمہ کس بہ عیش خوش شاد
ہر جا بنود آب را بوے — کر دست دراں زمیں رواں جوے
رمنے کہ کہے نگشتہ احیا — باغات بکشت و کشت آنجا

عفیف کا یہ بھی بیان ہے، کہ اس دور میں کسانوں نے اس قدر ترقی کر لی تھی کہ وہ ایک مٹھی بیج بوتے تو اس سے ستر بلکہ سات سو گنا زیادہ غلہ پیدا ہوتا، (ص ۱۸۰) غیر مسلم رفاہیت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، سوداگر بھی فارغ البال اور خوش حال تھے، وہ دوسرے ممالک میں جا کر تین تین چار چار برس رہتے، اور بے شمار منافع حاصل کر کے واپس آتے، (ص ۱۸۰) فقراء اور مساکین کے لیے ایک کروڑ تنکے سالانہ مقرر کر دیے گئے تھے، اس طرح اضطراری فقراء غربت کی تکلیفوں سے نجات پا گئے تھے۔ نادار والدین کی لڑکیوں کی شادی کے لیے بھی حکومت کی طرف سے انتظام تھا، اور اس کے لیے سالانہ رقم مقرر تھی اور نادار بچوں کی مفت تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا تھا، (ص ۱۸۰)

عفیف بار بار اس دور کی فارغ البالی کا ذکر کر کے مسرور ہوتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس عہد میں فارغ البالی کمال کو پہنچ گئی تھی، ارزانی صرف شہر تک محدود نہیں تھی، بلکہ پورے ملک میں تھی، کہیں قحط کا نام تک سنائی نہ دیتا، غلہ کی ارزانی کا یہ حال تھا کہ گیہوں آٹھ جیتل فی من، چنا اور جو چار جیتل فی من کے نرخ سے فروخت ہوتا، ایک غریب لشکری دس سیر دلا ہوا غلہ ایک جیتل میں خرید لیتا تھا، اسی طرح کپڑے بھی سستے تھے، اگر غلہ کبھی گراں ہو جاتا تو بھی ایک تنکے میں ایک من مل جاتا لیکن یہ گرانی چند روز سے زیادہ نہ ہوتی، اور پھر ارزانی ہو جاتی، (ص ۲۹۴) دوآب کے درمیان سکروزہ اور کرنہ سے کول تک ایک گانوں بھی غیر آباد نہ تھا،

Marfat.com

اور اس علاقہ میں ۵۲ گانوں تھے' (ص ۲۹۵)

اس دور میں شاہی حکم سے باغات بھی بکثرت لگائے گئے' دہلی کے جوار میں ایک ہزار دو سو سرسبز اور شاداب باغات ہو گئے' بندر سالپور میں اسی' چنور میں چوالیس باغات تیار کیے گئے' ان تمام باغات میں طرح طرح کے انگور مثلاً سفید' سیاہ' خرزنی' منوری' ارغوانی' آلو' وغیرہ ہوتے' اور ایک جنگل میں ایک سیر انگور عام طور سے فروخت ہوتا تھا' باغات میں دوسرے پھل بھی ہوتے تھے' مالکوں کے منافع کے بعد ان باغات سے ایک لاکھ اسی ہزار تنکے حکومت کو بھی وصول ہوتے تھے۔

(ص ۲۹۶ - ۲۹۵)

اس زمانے میں فیروز شاہ تغلق کی یہ بھی کوشش رہی' کہ شہر میں بے روزگاری نہ باقی رہے' کیونکہ اس سے بڑی برائیاں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں' اس لیے اس نے اپنے کوتوال کو حکم دیا کہ بے کار افراد اس کے حضور میں پیش کیے جائیں' بہت سے افراد ایسے تھے' جو بے روزگار ہو کر عسرت کی زندگی تو بسر کر رہے تھے' لیکن اپنی شرافت کا لحاظ رکھ کر اپنی غربت کا اظہار کرنا پسند نہ کرتے تھے' کوتوال نے ایسے تمام لوگوں کی فہرست تیار کی' اور اس کو سلطان کے سامنے پیش کیا' اور ان میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی کام میں لگا دیا' (ص ۳۳۴)

سلطان فیروز شاہ کے حکم سے خیرات خانے اور شفاخانے بھی کھولے گئے' خیرات خانے سے ان نادار شخصوں کی لڑکیوں کی شادی کی جاتی' جو اُن کی شادی نہ ہونے کی وجہ سے پریشان اور مضطرب رہتے' اور ان کے لیے سونا حرام رہتا' اس طرح ہزاروں لڑکیوں کو اس کار خیر سے فائدے پہنچتے تھے' (ص ۳۵۰) خیرات خانے سے مالی امداد کے تین درجے مقرر تھے' پچاس' تیس اور بیس نقرئی تنکے' (ص ۳۵۲)

سلطان کے حکم سے جو شفاخانے قائم ہوئے ان میں اطباء' جراح' کحال' اور دوسرے خدام کی تنخواہیں حکومت کی طرف سے دی جاتیں' مریضوں کو بہترین شربت' معجون' دوائیں اور غذائیں بھی مہیا کی جاتیں' اور شاہی حکم تھا' کہ شفاخانے کے تمام لوگ مریضوں کو دیکھنے' ان کے سوالات کا جواب دینے اور ان کی اضطراری کیفیت کا حال سننے میں پوری ہمدردی دکھائیں' اور ان کے مرض کی چارہ جوئی کریں۔

Marfat.com

(ص ۵۷ - ۳۵۴)

مطہر کڑہ کی خوشی

اس دور میں شہروں میں جو رونق حسن اور چہل پہل رہی اس کی تصویر اس کے زمانے کے شاعر مطہر کڑہ نے بہت اچھی طرح کھینچی ہے، فیروز شاہ کے دربار سے بھی وابستہ رہا، وہ اس عہد کی دہلی اور اس کی عمارتوں کی تعریف میں لکھتا ہے کہ عمارتوں میں پتھروں کا ایک تماشا نظر آتا ہے، ان کا صحن ایک روشن چشمہ معلوم ہوتا ہے، محل کا قبہ ستاروں کے گرد ایک چاند دکھائی دیتا ہے، یہ بیت المعمور اور فردوس کی طرح ہے۔

می نگشتیم در اطراف و عمارت ہر سوئے
تا بہ بینیم تماشائے بنائے احجار
راستی چونکہ بدید آں ہمہ ساخت صحن
و آں سرگنبد و آں چشمہ روشن بکنار
قبۂ قصر چو ماہے و کواکب برگرد
صوفیاں و خدم و سایر خلوۃ دوار
گفت این است ہنوز اول بیت المعمور
باش تا جنت فردوس بر مبنی و الانہار

پرانی دہلی میں جو جامع مسجد تھی، اس کی تعریف میں کہتا ہے کہ ایسی مسجد دنیا میں کہیں اور نہ ہوگی، حوریں بھی دیکھ کر اس پر عاشق ہو جائیں، اس کی محرابیں قوس قزح ہیں، اس کے قبے ابر بہار ہیں، اس کے ایوان کا خط صبح کی لکیر ہے، اور اس کی محراب کا دائرہ ... بام فلک کی طرح ہے، اس کا صحن پوری زمین کی طرح ہے جو وہم و انکار سے باہر ہے،

مسجدے دیدہ نہ مسجد کہ جہانے در وے
آسمانے ز گہر کردہ زمینے ز لصار

Marfat.com

چو فریبندہ بہشتے کہ اگر بلبند حور
بدل و دیدہ شود بر رُخ او عاشق زار
طاق بر طاق پر آراستہ چو قوس قزح
قبہ بر قبہ بر افراختہ چوں ابر بہار
خط ایوان وے و دائرۂ طاقش را
رشتہ صبح شدہ مسطر و گردوں پرکار
بام و صحن فلک آسا و زمیں پیمایش
انچناں بردہ بروں از حد وہم و افکار

فیروز شاہ نے حصار فیروزہ آباد کیا، تو مطہر نے اس کی بھی دل کھول کر ایک ترکیب بند میں مدح کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک جنت ہے جہاں کی عمارتوں کے ہر طرف نزھت صحرا اور تماشائے سواد تھا، یہاں کے لشکر آسودہ لوگ خوش اور بازار کے عوام شاد ہیں، آب رواں پر ایک جنت آباد کی گئی ہے: اس کے قصر کے سامنے دنیا کی اور عمارتیں ہیچ نظر آتی ہیں، اس محل کا ہر منظر روح افزا ہے، اس کی منزل خلد ہے، ہر طرف صفائی ہے، ہر سمت میں ایک خاص کیفیت نظر آتی ہے، یہ شہر کیا ہے دنیا میں بہشت ہے، اس کی ہر گلی کی ہوا میں مختلف خوبیاں ہیں، یہاں کا پانی آب حیات ہے، یہاں کی ہوا جاں فزا ہے، یہاں کا پانی چشمۂ خضر ہے، اور یہاں کی ہوا دم عیسیٰ ہے، اس کی نسیم مشک کی خوشبو ہے، اور اس کی صبا خود سانس ہے، اس کا میٹھا پانی گلاب کی طرح کیا ہے، بلکہ شفایابی کی دوا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

حبذا شہر گزیں حضرت فیروز آباد — کہ در و جوی خلود است و نباہا بہ عداد
ہر طرف طرفہ عمارات ارم ذات عماد — ہر سوے نزہت صحرائے و تماشائے سواد
لشکر آسودہ رعیت خوش و بازارے شاد — اینک آں شہر گر انصاف سخن خواہی داد
آفریں باد بریں شہر و بدیں شاہ جواد — کایں چنیں شہر جہانگیر از و شد بنیاد
کو بکو در ہمہ آفاق کسے دارد یاد
ایں چنیں جنتے آراستہ بر آب رواں
ایں عمارت کہ شہنشاہ جہاں فرمود است — و ایں جناہا کہ سرش بر سر گردوں سود است

Marfat.com

کس ندیداست در آفاق و کسے نشنود ست　　نہ ازیں پس بود آں نوع نہ وقتے بود ست

یارب ایں قصر چہ قصراست کہ دل ربود ست　　ایں چہ جائیست کز و راحت و جان افزود ست

قصر گر ایں است عمارات جہان بیہود ست　　زانکہ گرد ست جز ایں باد و ہوا ہمود ست

چرخ بر منظر او نقطۂ میل اند د ست

تا بگردش نرسد چشم زخم از دوراں

ہر یکے منظرے از روے فزاے دگر ست　　ہر یکے منزلے از خلد نمائے دگر ست

زیر ہر صفہ و ہر سقف سرائے دگر ست　　پیش ہر ساحت و ہر صحن فضائے دگر ست

ہر طرف روحے و ہر سوے صفائے دگر ست　　ہر جہت وجدے و ہر کوے ہوائے دگر ست

بر سر ہر شرفی ساختہ جائے دگر ست　　ہر یکے جائے بفری و بہائے دگر است

آں نہ قصر است کہ در عہد سمائے دگر ست

واں نہ شہرست کہ در روے بہشتی است عیاں

ہم چنیں شہر نکو در ہمہ آفاق کجاست　　ویں چنیں قصر شاہانہ جہانگیر کجاست

کاب او آب حیاتست و ہوا جان فزاست　　ان نم چشمۂ قصر آب دم عیسیٰ بدعاست

باد مشکینش نسیمے چو نفسہائے صباست　　آب تیر ینش گلابی است کہ دارو ے شفاست

ایں ہمہ از اثر رحمت و الطاف خداست

کایں چنیں جای تو آں دید در اطراف جہاں

اسی ترکیب بند میں یہاں کی جامع مسجد کی بھی تعریف ہے ۔

مطہر فیروز شاہ کے ساتھ ٹھٹھ (سندھ) بھی گیا، اس شہر کو بھی دیکھ کر کہتا ہے کہ یہ شہر نہیں ہے. . . . . . بلکہ ایک آراستہ پیراستہ بہشت ہے یہاں حوریں ہیں یہاں کے چشمے اور تالاب سلسبیل ہیں، ہزاروں نہریں ہیں اس کا پانی گلاب، بیز زمین سیم ناب یعنی خالص چاندی اور اینٹیں زر سرخ کی طرح ہیں ۔

نے نے کہ شہر نیست بہشتے است دل پذیر　　آراستہ بسندس و استبرق و حریر

حوراں در و کواعب اتراب بے نظیر　　سلساں و سلسبیل در و چشمہ و غدیر

Marfat.com

وز شربت وشراب خمیرش در آب گیر		جاری ہزار جوے مے و انگبیں و شیر
آبش ہمہ گلاب و گلابش ہمہ عبیر		خشتش ز زر سرخ و زمینش ز سیم ناب

اس کے قلعہ کے بارے میں لکھا ہے۔

ہر قبۂ چو گنبد گردون چنبری		نقش و نگار او ہمہ مرتخ و مشتری
پوشیدہ ہندرنگ ہمہ شعر و ششتری		آں سبز و سرخ و زرد و بنفش و معصفری
یا بر مثال قصر سلیمان ز برتری		سقف و ستون او ہمہ از زر جعفری

یہاں پہنچنے پر فیروز شاہ کے لیے استقبال میں ایک جشن منعقد کیا گیا جس میں صراحی، ساغر، دف وزن، رباب، اور رقص کا انتظام کیا گیا۔ رقاصوں کے حسن کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے چہرے چاند کی طرح قد سرد، ساق سمن، تن بدن چاندی، آنکھیں نرگس، ابرو بنفشہ، بازو نسرین اور جسم نسترن کی طرح تھا، ان کی رفتار میں قیامت تھی، گفتار میں فتنہ تھا، دیدار میں شان بہشت اور جدائی محض عذاب۔

بزمے است ہر سوی و نشاطی بہر سری		باغ بہر رہی و بہشتی بہر دری
ہر جا نہادہ نخلی و ہر جائے مجمری		ہر جانبی صراحی و ہر سوی ساغری
داد رده اند جمع بہر کیش کشوری		از دف و زن و رباب و رقاص لشکری

ہر یک چناں کہ در شب تاریخ اختری
مہ روی و مشک بوی و شکر خندہ شمع تاب

ہر لعبتے لطیف چو نورستہ ناردن		گل روی و سرو قد و سمن ساق و سیم تن
چشماں داروان و برو بازوان تن		چو نرگس و بنفشہ و نسرین و نسترن

رفتارشاں قیامت و گفتارشاں فتن
دیدارشاں بہشت و جدائی شان عذاب

تاتاریوں کی پسپائی پر خوشی

فیروز شاہ تغلق نے اپنی حکومت کے ابتدائی دور ہی میں مغلوں کی ایک

Marfat.com

یورش کو بڑی کامیابی سے پسپا کیا تھا، مغلوں کا حملہ ہوا تو عفیف بڑے فخر سے لکھتا ہے کہ سلطان نے

"طائفہ گرداں، کُندوراں، زمرۂ نبیراں، غازیان مبارزاں، جملہ خانان، پہلوانان، دلاوران، جنگ جویان، سواران جرار اور پیادگان نمدار کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا، اور ان کو شکست دی، اور اس فتح و کامرانی پر عام خوشی منائی گئی۔"

(تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف، ص ۴۹)

تیمور کے حملے کے وقت کا ہندوستان

لیکن فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد ہندوستان کا وہی حال ہوا، جو اس ملک کے بہت ہی طاقتور حکمران خاندان کے کمزور ہو جانے کے بعد اس کی گذشتہ اور آیندہ تاریخ میں ہوا۔ فیروز شاہ کی وفات کے دس سال بعد ۱۳۹۸ء میں تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس ملک کی عظمت اور شوکت کی جو شہرت اس زمانہ میں تھی، وہ تیمور کی حسب ذیل تحریروں سے اندازہ ہوگا:

"ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے میں نے اپنے امیران لشکر اور فرزندان دلیران سے مشورہ کیا، چنانچہ انھوں نے ہندوستان کو فتح کرنے اور وہاں کے مال و زر سے عالمگیر ہو جانے کے خیال کا اظہار کیا، امیرزادہ محمد سلطان نے ہندوستان کے مستحکم اور مضبوط قلعوں، مسلح سپاہیوں، آدمیوں کا نکالا کرنے والے تربیت یافتہ جنگی ہاتھیوں، وہاں کے دریاؤں، جنگلوں اور میدانوں سے عہدہ برآ ہونے کے سامان کی تیاری کا مشورہ دیا، سلطان حسین نے کہا کہ اگر ہم ہندوستان کو فتح کرلیں گے تو دنیا کے ایک چوتھائی حصہ پر قابض ہو جائیں گے، امیرزادہ شاہرخ نے کہا کہ دنیا میں پانچ ملک ہندوستان، روم، ختا، چین، ماچین، ترکستان، اور ایران و توران نہایت عظیم الشان ہیں، جن کے بادشاہوں کو لوگ بالترتیب راے، قیصر، فغفور، خاقان اور شہنشاہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں، یہ حکمران

Marfat.com

اتنے باعظمت اور بارعب ہیں، کہ لوگ عزت و حرمت کی وجہ سے ان کا نام
لے کر انہیں نہیں پکارتے،

..... ایران اور توران پر ہم قابض ہو چکے ہیں، لہذا ہمیں ہندوستان
کو بھی فتح کرنا چاہیے، غرضکہ فرزندان والا قدر نے ہندوستان کی تسخیر کو ضروری
قرار دے دیا۔"

(تزک تیموری بمبئی اڈیشن ص ۴ اردو ترجمہ ص ۶۶ - ۶۵ لاہور اڈیشن)

تیمور نے اس وقت تک دنیا ہلا ڈالی تھی، وہ ماوراءالنہر، خوارزم، ترکستان، خراسان، عراق، آذربیجان، فارس، مازندران، کرمان، دیار بکر، خوزستان، شام، روم، زابلستان کو فتح کر کے اپنے تصرف میں لا چکا تھا، اس کی تلوار بے پناہ ہو چکی تھی، آج بھی یہ کہا جاتا ہے، کہ دنیا کو تین آدمیوں نے فتح کیا، ایک سکندر، دوسرا چنگیز خاں اور تیسرا تیمور، لیکن تیمور کے امراء ہندوستان کی طرف بڑھنے میں مذبذب تھے، اس تذبذب کی وجہ تو تیمور نے کچھ اور بتائی ہے۔

امرا گفتند کہ اگرچہ ہندرا می گیریم، لیکن اگر اقامت نمائیم نسل ما ضائع
شود و اولاد و احفاد ما از ترکیب بدر آیند و ہندی زبان کردند۔"

یعنی ہم نے ہندوستان کو فتح کر لیا، اور وہاں سکونت اختیار کر لی، تو ہماری نسل ضائع ہو جائے گی، ہمارے بیٹے پوتے ہم سے الگ ہو کر ہندی زبان اختیار کر لیں گے، لیکن تذبذب کی وجہ یہ بھی رہی ہو گی، کہ تقریباً ڈیڑھ سو برس سے مغل ہندوستان پر برابر حملے کرتے رہے، مگر تباہ و برباد ہو کر اس ملک سے واپس ہوئے، ان کو خیال ہوا ہو گا، کہ کہیں ہندوستان پہنچ کر ان کے پیش رو مغلوں کی طرح ان کو بھی ناکامی ہو گئی تو ان کی ساری فتوحات پر پانی پھر جائے گا، تیمور نے ہندوستان پر یلغار کرنے کا فیصلہ کر لیا تو اس میں بڑی احتیاط کی، ۹۲ ہزار سواروں کا ایک لشکر جرار تیار کیا، اس وقت کابل امیرزادہ پیر محمد جہانگیر کے زیر نگیں تھا، اس کو تیس ہزار سواروں کا سردار بنا کر کوہ سلیمان کے راستہ سے ہندوستان بھیج کر ملتان پر حملہ کرنے کی ہدایت کی، سلطان محمد خاں امیرزادہ رستم کو تیس ہزار لشکر کے ساتھ کوہ کشمیر کے دامن سے لاہور پر حملہ کرنے کو بھیجا۔ پھر بقیہ لشکر کے ساتھ خود دہلی ہندوستان روانہ ہوا، تلنبہ، بھٹنیر، اور سرستی

Marfat.com

وغیرہ کو پامال کرتا ہوا دہلی کے قریب پہنچ گیا۔ اور جب ہندوستانی فوج دہلی سے چھ میل کے فاصلہ پر آکر اس کے خلاف کھڑی ہوئی، تو گو اس فوج میں وہ دم خم باقی نہیں رہا تھا، جو بلبن، علاء الدین خلجی اور محمد تغلق کے دور میں تھا، مگر پھر بھی تیمور کی فوج پر اس کی دہشت طاری تھی۔ ظفر نامہ کے مصنف مولانا شرف الدین علی یزدی تیمور کے درباری مورخ تھے، اور اس کے ساتھ برابر سفر میں رہتے، وہ لکھتے ہیں، کہ سلطان محمد تغلق کی فوج کے ہاتھی کوہ پیکر کی طرح نظر آئے، وہ دریا کی طرح اُمنڈتے دکھائی دیے، سلاح و تجہیم سے آراستہ تھے، ان کے دانتوں میں زہریلی کٹاریں لگی ہوئی تھیں، ان کی پشت کے ہودج پر نادگ افگن اور چرخ انداز بیٹھے تھے۔ ان کے ساتھ تخش دار اور رعد انداز تھے،

تیمور کے سپاہیوں پر خوف طاری ہوا، انھوں نے ہاتھی کبھی نہیں دیکھا تھا، اور انھوں نے سنا تھا، کہ ان کے جسم میں ایسی صلابت ہوتی ہے، کہ تیر اور تلوار اس پر کارگر نہیں ہوتی، ان میں ایسی قوت ہوتی ہے، کہ بڑے بڑے درختوں کو ایک حملہ میں جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں، بڑے بڑے مکانات کو گرا دیتے ہیں، لڑائی میں اژدہے کی طرح اپنی سونڈ سے گھوڑے کو اس کے سوار کے ساتھ زمین سے اُٹھا لیتے ہیں، اور ہوا میں ڈال دیتے ہیں، ہاتھیوں کی ان باتوں کو سن کر لشکریوں کے دلوں میں بڑا خوف تھا، اور جب صاحبقراں (یعنی تیمور) نے اپنے فوجی سرداروں کے مقامات متعین کیے، تو اپنے ان علما سے پوچھا، جو اس کے ساتھ تھے، کہ وہ کہاں رہیں گے، تو انھوں نے ہاتھیوں کے خوف سے کہا کہ جہاں خواتین رکھی جائیں گی، لشکریوں کے خوف کو دور کرنے کے لیے صاحبقراں نے حکم دیا کہ ان کا ایک حصار بنایا جائے، اور اس کے آگے خندق کھودی جائے، خندق کے سامنے بھینسوں کی گردنیں اور ٹانگیں چمڑے سے باندھ کر ان کو کھڑا کر دیا جائے، پھر آہنی کانٹے بنا کر پیدل سپاہیوں کو دیے گئے، کہ جب ہاتھی حملہ آور ہوں تو یہ کانٹے راستہ میں بکھیر دیے جائیں۔

(ظفر نامہ جلد دوم، ص ۳-۱۰۲)

اتنی احتیاط اور اپنی فوج کی ترقی یافتہ سپہ گری کے باوجود اُسے یقین نہ تھا، کہ وہ ہندوستان کی فوج پر غلبہ پا جائے گا، کیونکہ اس کے پیش رو شکست کھا کر یہاں سے واپس ہوتے رہے، اس لیے جنگ کرنے سے پہلے نماز شروع کر دی، اور بہت ہی خضوع و خشوع

Marfat.com

کے ساتھ اس کے ارکان ادا کیے، پھر خاک پر سر کو رگڑ رگڑ کر گریہ وزاری کرنے لگا، کہ اے خدا مجھے اپنی سعی و کوشش پر، اور نہ اپنے حلاوت کیش اعوان و انصار پر بھروسہ ہے، اپنے گنج و سپاہ پر غرور نہیں ہے، بلکہ تیری رضا کا جویاں ہوں، اور تجھ ہی سے ساری امیدیں رکھتا ہوں۔

همیشه رضای تو جویم بجان براه ثنای تو پویم بجان
ندارم غروری گنج و سپاه ترا در همه کار دانم پناه
کرم کرده بارها یاری دریں باب هم لطف کن کاگهی
بجز تو ندارم امیدی بکس که بی کسانی غریبا درس

اس نماز کے بعد لشکر کو لڑانا شروع کر دیا، ہندوستان کی مدافعت میں یہاں کی فوج پوری پامردی سے لڑی جس کا اعتراف مولانا اشرف الدین یزدی نے بھی کیا ہے دونوں طرف کی لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

چو گشت از دو سو لشکر آراسته
جهانی به پرخاش برخاسته
بلان رایت کین برافراختند
کورگه زنان سورن انداختند
زغریدن کوس خالی دماغ
زمین لرزه افتاد برکوه و راغ
زفریاد زد بین خم از پشت بیل
تو گفتی جهان کوفت کوس رحیل
درا هاى هندی در آمد بجوش
زایوان کیوان گذشته خروش
بجنبش در آمد دو لشکر ز کین
ازان جنبش از جا بر آمد زمین
روا رو بر آمد ز راه نبرد
هراسی در آمد بمردان مرد

Marfat.com

زپولاد پوشان لشکر شکن
تن کوہ لرزید برخویشتن

(ظفرنامہ جلد دوم، ص ۱۰۵ - ۱۰۴)

بلبن جلال الدین، علاء الدین خلجی، غیاث الدین تغلق، محمد تغلق اور فیروز شاہ نے تو مغلوں کے چھکے چھڑا دیے تھے، لیکن ان ہی کے تخت کا جانشین محمود تغلق تیمور سے شکست کھا گیا، جس کے بعد مورخوں کے بیان کے مطابق دہلی پر بڑی تباہی اور بربادی آئی، اس وقت امیر خسرو ہوتے، تو اس دہلی کی غارت گری پر خون کے آنسو روتے، جس کے متعلق اُنھوں نے کہا تھا، کہ اس کے دین و انصاف کی شہرت ہر طرف پھیلی ہے، یہ عدن کی جنت ہے، یہ اپنی صفات اور خصوصیات کی بنا پر باغ ارم کی طرح ہے، اس بوستاں کا قصہ سُن کر مکہ بھی ہندوستان کا طواف کرنے لگے، مکہ اس کی شہرت سُن کر بہرہ ہو جائے، یہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے قبۃ الاسلام بن گیا ہے،

(قران السعدین، ص ۲۸، ۲۹)

دہلی کی یہ شکست ذلت آمیز نہیں کہی جا سکتی ہے، تیمور کے لشکریوں نے بروصہ، انگوریہ، ملطیہ، حلب، دمشق، بغداد، شیراز، کاشغر، اور ختن وغیرہ جیسے شہروں کو پامال کر ڈالا تھا، تو ان ہی کی غارت گری کی نذر دہلی بھی ہو گئی، تو زیادہ تعجب کی بات نہیں، لیکن تغلق خاندان کے زوال پذیر زمانے میں بھی یہاں کے لشکریوں نے جو دلیری دکھائی اس کا اظہار ہاتفی المتوفی ۱۵۲۱ء کی تیمور نامہ سے ہوتا ہے، جو تیمور کے کارناموں کی تشہیر کے لیے خاص طور پر لکھی گئی، اس میں وہ دہلی اور ہندوستان کے لشکریوں کی تحقیر ضرور کرتا ہے، پھر اس کے قلم سے جا بجا ان کی تعریف نکل ہی گئی ہے،

زدہلی برون راند سالار ہند — کہ آساں کند کارِ دشوار بند
بہ او صد ہزار اژدہائے سپاہ — ازاں ہر یک آشوب صد رزمگاہ
سپاہاں پر فتنہ و خیرہ سر — زچشم سیاہ بتاں خیرہ تر
شدہ جمع گردن فرازان ہند — ز دریاچہ گنگ تا آب سند
سپہ بد ہزارے جو فیروز شاہ — ہمہ نطاق و مرصع کلاہ
صف آرائے شد کشور آرائے ہند — روان شد بہ میعاد گاہ دارائے بند

Marfat.com

به نزدیک میعادگاه جاے کرد — دہلی زد و سرا پردہ برپاے کرد
بسے سائبان بریشم طناب — کہ بردے نقاب رخ آفتاب
بزرگان آں محشر آئین سپاہ — کشیدند تا کردہ مہر و ماہ
ز جلوہ سپاہے ز ہر ابرشے — چو دودے کہ برخیزد ز آتشے
بہ آں شوکت آمد سو رزم گاہ — کہ دز ہیچ کہ نامدہ ہیچ شاہ
یمین صف شاہ دہلی نژاد — برائے پتورائے ہندی نقاد
دلیران گجراتی و دہلوی — برافراختہ رایت خسروی
جہاں زیر گجراتیاں پیل پیل — کشیدہ ہمہ تنگ بر رائے پیل
یسارش بہ آئین گنجہ وری — شد از ہالی مولتانی قوی
برآراستہ لشکر مولتاں — ہمہ جست و چالاک ہندوستاں
دلیران ہندی بہ گرز گراں — پراگندہ کردند مغز سراں
وزاں سو دلیران دہلی نژاد — ز غیرت زدہ آتش اندر نہاد

(تیمور نامہ مدراس اڈیشن ص ۱۴۷، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۷)

تیمور کے لشکری یہاں کے جنگی ہاتھیوں سے خوف زدہ رہے، تو خود تیمور ان ہاتھیوں کی تربیت سے متاثر ہوا۔ محمود شاہ تغلق کی شکست کے بعد میدان جنگ میں اس کے تصرف میں ہاتھی بھی آئے۔ فیل بانوں نے تیمور کو ان ہاتھیوں کے کرتب دکھائے، فیل بان کے اشارے سے ہاتھی نے تیمور کے سامنے اپنے سر کو زمین پر رکھ کر خاک بوسی کی، گویا اس کی تعظیم کی۔ اور چنگھاڑا، اور جب اس کے سامنے زمین پر کوئی چیز رکھ دی جاتی تو وہ اٹھا کر یا تو فیل بان کو دیدیتا، یا اپنے منہ میں رکھ لیتا۔ تیمور ہاتھی کی اس اطاعت گذاری کو دیکھ کر متعجب ہوا کہ اتنا بڑا جانور انسان ضعیف البیان کا مطیع ہو سکتا ہے، اس نے ان ہاتھیوں میں سے پانچ سمرقند، دو تبریز اور ایک ایک آذربائیجان، شروان اور ہرات بھجوائے۔ تاکہ وہاں کے لوگ ان کو دیکھ کر مسرور ہوں۔ (ظفر نامہ جلد اول، ص ۱۱۸-۱۱۷ و تاریخ ہند از ذکاء اللہ، ص ۲۷۵)

دہلی میں مال غنیمت میں تیمور اور اس کے لشکریوں کو ظفر نامہ کے مصنف کے بیان کے مطابق طرح طرح کے جواہرات، خصوصاً یاقوت، ہیرے، موتی، قیمتی کپڑے

Marfat.com

چاندی سونے کے ظروف اور بے شمار نقدیے اس کے ہاتھ آئے، اس سے اس زمانے کے یہاں کے تمدن کا اندازہ ان لوگوں کو ہوا ہوگا۔ ان کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا، کہ یہاں ہاتھیوں اور بانوں میں بھی سونے اور چاندی کے زیورات پہنے جاتے ہیں، انھوں نے یہاں نبات، ادویہ، اور عفاقیر اتنے دیکھے کہ ان کو اپنے ساتھ لے جانا ممکن نہ تھا،

(ظفرنامہ جلد اول، ص ۱۲۳ - ۱۲۴)

تیمور یہاں کے فن تعمیر کو بھی دیکھ کر متاثر ہوا، اور جب واپس ہوا تو کئی ہزار ارباب صنعت و حرفت اور رنگ تراشوں کو اپنے ساتھ لے گیا، اور سمرقند کی مشہور جامع مسجد ان کی مدد سے تیار کی، (ظفرنامہ جلد دوم، ص ۱۲۴)

اس کے یہ معنی تھے، کہ ہندوستان کے فرماں رواؤں کو تو اس نے اپنے سامنے جھکا لیا تھا، لیکن یہاں کے آرٹ کے کمالات کے سامنے وہ خود جھک گیا تھا، اس نے یہاں کے علما، اور مشائخ کی بھی بڑی قدر دانی کی، جن میں ایک بزرگ شیخ احمد کھٹو نے تو اس کے سامنے پہنچ کر ہندوستان کی عزت اور وقار کو بڑھا دیا، وہ جب دہلی میں تیمور کے دربار میں بلائے گئے، تو وہاں اس کے دبدبہ، شوکت اور قہاریت سے مرعوب ہونے کے بجائے اپنی نشست کے لیے معزز ترین جگہ کے طالب ہوئے، تیمور کے ساتھ دربار کے شیخ الاسلام بھی تھے جو ہدایہ کے مصنف مولانا برہان الدین مرغینانی کے پوتے تھے، دربار میں ان کے لیے معزز ترین جگہ مخصوص تھی، شیخ احمد کھٹو وہاں تشریف لائے، تو شیخ الاسلام سے نشست میں اختلاف ہوگیا، تیمور نے شیخ احمد کھٹو سے کہا کہ شیخ الاسلام کے دادا ہدایہ کے مصنف ہیں، اس لیے ان کی نشست میں اولیت حاصل ہونی چاہیے، شیخ احمد کھٹو نے کسی جھجک کے بغیر جواب دیا، کہ صاحب ہدایہ نے خود ہدایہ میں غلطیاں کی ہیں، علم کی اصل عزت ہے، نہ کہ شخص کی، شیخ الاسلام نے غلطیاں دریافت کیں، تو مولانا نے ان غلطیوں کا جواب دینا اپنے لیے کسر شان تصور کیا، اور اپنے شاگردوں کو یہ غلطیاں بیان کرنے کے لیے اشارہ کیا، تیمور کو شاید محسوس ہوا ہوگا، کہ ان غلطیوں کی نشان دہی سے اس کے شیخ الاسلام کی سبکی ہوگی، اس لیے اس بحث کو روک دیا، اور مجلس برخاست کردی، ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں، کہ تیمور سے ان کی ملاقات ہوئی، تو وہ ان کی درویشی اور علم کی حقیقت سے متاثر ہوا، انھوں نے لشکر کے ماورا النہر

Marfat.com

کے علماء اور فضلاء سے بحث کی اور ان کو لاجواب کردیا، انھوں نے تیمور سے قیدیوں کی رہائی کی سفارش کی، تیمور کو ان سے بڑی عقیدت پیدا ہوگئی تھی، اس لیے ان کی سفارش کو قبول کیا، اور تمام قیدیوں کو رہائی دیدی۔ شیخ کا اہل ہند پر یہ بڑا احسان ہے۔

(منتخب التواریخ ص ۲۷۰ نیز اردو ترجمہ ص ۱۷۰)

کشمیر اور تیمور

تیمور ہندوستان سے واپس ہوا تو دریائے جمنا اور کشمیر ہو کر وسط ایشیا واپس ہوا جب وہ کشمیر پہونچا تو اس کا ذکر بڑی دلچسپی سے کرتا ہے۔

کشمیر ایسا ملک ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، اس کے بیچ میں ایک بڑا شہر آباد ہے جو نغز کہلاتا ہے (شاید سری نگر مراد ہے) حکمران اسی شہر میں رہتے ہیں، اس کی عمارتیں بڑی بڑی ہیں، اور سب لکڑیوں کی بنی ہوتی ہیں، چار پانچ منزلوں کی ہوتی ہیں، اتنی مضبوط ہیں کہ چار پانچ سو سال تک برقرار رہ سکتی ہیں ایک بڑا دریا شہر سے ہو کر گزرتا ہے جو بغداد کے دجلہ سے مشابہ ہے، شہر اسی دریا کے دونوں طرف آباد ہے اس کا منبع کشمیر میں نہیں ہے یہ ایک جھیل ہے جو ویرناگ کہلاتا ہے، طول و عرض کچھ فرسنگ ہے، شہریوں نے اس پر تئیس پُل بنا رکھے ہیں، یہ پُل لکڑیوں یا کشتیوں کے بنے ہوتے ہیں، سات بڑے پُل تو شہر میں ہیں، بقیہ شہر سے باہر ہیں، جب یہ دریا کشمیر سے باہر جاتا ہے تو جس شہر سے گذرتا ہے، اسی نام سے منسوب ہو جاتا ہے مثلاً دریائے دندانہ دریائے جمد وغیرہ، یہ دریا ملتان کے پاس چناب میں مل جاتا ہے، وہاں سے یہ راوی میں مل جاتا ہے پھر دریائے بیاس اس سے آکر مل جاتا ہے اور پھر تینوں اوچھ کے پاس سندھ میں مل جاتے ہیں، اور وہ دریائے سندھ کہلاتا ہے،

(نیز دیکھو تاریخ ہندوستان از ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن ج ۳ ص ۴۷۶)

ظفرنامہ میں کشمیر کے حُسن کا ذکر

تیمور تو ہندوستان کو برباد کر کے چلا گیا، لیکن جب اس کی تاریخ لکھی گئی، تو اس میں ہندوستان کے خطہ کشمیر کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا گیا، تیمور کی وفات کے

Marfat.com

تین سال بعد شرف الدین یزدی نے اس کے حالات ظفر نامہ میں ۱۴۲۴ء میں لکھے تو گو اس کے زیادہ تر واقعات ملفوظات تیموری سے ماخوذ ہیں پھر بھی اس سے مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں، اس کا مؤلف تیمور کی مہم ہندوستان میں ساتھ تھا، اس کو ہندوستان کا خطہ کشمیر بہت پسند آیا، اس کے کچھ اقتباسات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

ولایت کشمیر چہارم اقلیم کے وسط سے قریب ہے، خط استوائے کشمیر کا عرض ۱۲۶ درجہ کا اور اس کا طول ۱۰۵ درجہ ہے، چاروں طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اس کے جنوب میں ہندوستان ہے، شمال میں بدخشاں اور خراسان ہے، مغرب میں افغانی قوم آباد ہیں، مشرق میں تبت ہے، اس کے مسطح میدان کا طول پورب سے پچھم تک تقریباً چالیس فرسخ ہے، اس مسطح علاقہ میں دس ہزار گاؤں ہوں گے، جہاں بے انتہا خوشگوار چشمے پائے جاتے ہیں، سبزہ زاروں کی کثرت ہے، پورے ولایت میں ایک لاکھ قریے ہوں گے، آبادی بڑی گھنی ہے، زمین پر کاشت ہوتی ہے، یہاں کا حسن و جمال تمام دنیا میں مشہور ہے، پہاڑوں اور جنگلوں میں بکثرت میوہ دار درخت ہیں جن کے پھل بہت خوش ذائقہ اور صحت کے لیے مفید ہیں، یہاں کی آب و ہوا سرد ہے اس لیے یہاں گرم ممالک کے پھل اور میوے مثلاً خرما، نارنج اور لیموں نہیں ہوتے لیکن پاس کے گرم ممالک سے آتے رہتے ہیں، حکام جہاں رہتے ہیں، اس کا نام نغر (مراد سری نگر) ہے اس کا محل وقوع بغداد سے مشابہ ہے، شہر کے بیچ سے ایک بہت بڑی نہر بہتی ہے جس کو بہت کہتے ہیں، یہ نہر دجلہ سے بڑی ہے۔ اس کا پانی بہت ہی مقوی اور عمدہ ہے، اس کا منبع اسی ملک میں ہے، جس کو چشمہ ویر کہتے ہیں، شہر کے باشندے اس نہر کے کنارے برابر کشتیاں زنجیروں سے بندھی رکھتے ہیں، اور ان پر آتے جاتے رہتے ہیں یہ نہر کشمیر سے گذرنے کے بعد اندانہ کہلاتی ہے، اور ملتان کے بالائی حصہ میں جاتی ہے جہاں پہونچ کر دریائے چناب میں مل جاتی ہے اور پھر بیاس سے مل کر اوچہ کی طرف جاتی ہے ان سب کو دریائے سندھ کہتے ہیں جو ٹھٹھہ کے دامن سے ہو کر دریائے عمان میں جا گرتا ہے۔ حکمت الٰہی سے یہ ولایت پہاڑوں سے ایسی گھری ہوئی ہے کہ یہاں کے باشندے دشمنوں سے بالکل بے خطر ہو کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، اس ولایت سے تین راہیں نکلی ہیں، ایک راستہ خراسان کو جاتا ہے، جو بہت ہی دشوار گذار ہے، جانوروں کی پشت پر

Marfat.com

ادھر سے مال و اسباب لے جانا ممکن نہیں، یہاں کے مزدور اپنے کاندھوں پر مال و اسباب لے جاتے ہیں، اور ایسی جگہ تک پہنچا دیتے ہیں جہاں اور جانوروں پر لادے جا سکتے ہیں، ہندوستان کی طرف جو راستہ جاتا ہے وہ بھی دشوار گذار ہے، تبت کی طرف کا راستہ نسبتاً آسان ہے لیکن اس راستہ میں جانوروں کے لیے زہریلی گھاس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں اس لیے سوار اپنی سواری کے تلف ہونے کے خوف سے اس راستہ سے سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

(ظفر نامہ جلد دوم، ص ۱۸۴ - ۱۷۷، بنگال ایسٹ سوسائٹی کلکتہ)

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

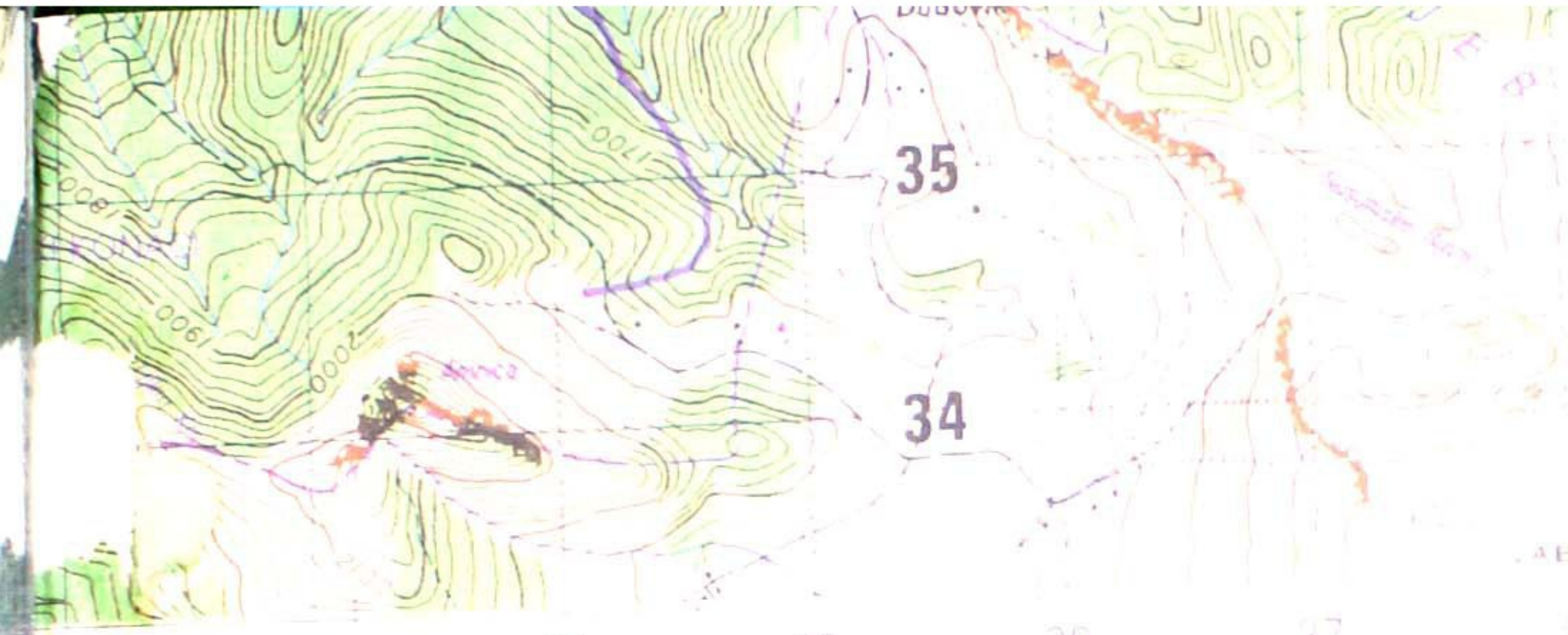

35
34
32
33
34
35
36
37
1700
1800
1900
2000
1000
500
0
½
1
d in 1960 from Karte des
animetric detail revised by
ELEVATIONS IN METERS
CONTOUR INTERVAL 20 METERS WITH
ΙΣΟΔΙΑΣΤΑΣΙΣ 20 ΜΕΤΡΑ ΜΕΤΑ
ce of the map
TROKA
BM 792
REVISIONS IN PURPLE
LEGEND
Sand
Mud
341
DN
4734000
TION 4-NIMA

Marfat.com

Marfat.com